بسمہ تعالیٰ

سیدۂ عالمؑ
کی
مظلومیت

تالیف:

آیت اللہ سید علی حسینی میلانی

ترجمہ:

سید قیصر منجھن پور

نام کتاب : سیدۂ عالمؑ کی مظلومیت

مؤلف : استاد آیۃ اللہ سید علی حسینی میلانی دام ظلہ

ترجمہ : سید محمد قیصر منجھن پور

ناشر : جعفری پروپگیشن سینٹر، باندرہ، ممبئی 400050۔

ای میل:jpcbandra@yahoo.com

ویبسائٹ:www.jpconline.org

تاریخ طباعت: : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲؁ھ اپریل ۲۰۱۱؁ء

فہرست

سب سے پہلے

الحمد الله رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ الطیبین الطاہرین ولعنۃ اللہ علیٰ اعدائہم اجمعین من الاولین والاٰخرین.

گفتگو کا آغاز صدیقۂ طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مظلومیت سے کر رہا ہوں ......واقعی یہ بات سوچنے کی ہے کہ ہماری گفتگو کا موضوع خاتون جنت کے فضائل و مناقب کے بارے میں کیوں نہیں ہے؟

ہماری بحث کا محور شہزادیٔ کونین کی پاک وپاکیزہ زندگی کیوں نہیں ہے؟

آخر فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مظلومیت کے بارے میں بحث کیوں کر رہا ہوں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ:

بعض لوگ کہتے ہیں حضرت صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام کی زندگی کے سارے اتفاقات فقط ایک تاریخی واقعہ پر مشتمل ہیں جنھیں بیان کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ ان کے بیان سے لوگوں کی فکروں میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تاریخی واقعات سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی(!!)

ہم اپنی بحث میں بغیر کسی تعصب اور عناد کے اس کلام کا جائزہ لیں گے، گرچہ تاریخ میں جو کچھ واقع ہوا ہے اسے پڑھنا اس کے بارے میں گفتگو کرنا نہایت تلخ و دشوار ہے۔

اس کتاب میں اپنی استطاعت اور امکان بھر اس بات کی کوشش کروں گا کہ اپنی بات کو اہلسنت کے انھیں منابع و مصادر سے ثابت کروں جو سب سے زیادہ اہم، مشہور، صحیح اور قدیم ترین کتابوں میں ہیں۔

یہ مطلب غور طلب ہے۔ اتنے عظیم اوراہم واقعہ کو اگر صرف ایک تاریخی واقعہ کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس کو کوئی اہمیت نہ دی جائے...تو کیا اس کا یہ معنی نہیں ہو تا کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگوں ، اوران جنگوں میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے نمایاں کارناموں، یاامیر المومنین علیہ السلام کے شب ہجرت بستر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سونے حضرت علی علیہ السلام کا حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے، خود امیر المومنین علیہ السلام کے ظاہری عہد حکومت میں مختلف جنگوں کے رونماہونے، کربلا کا انسانیت سوز واقعہ ، اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ جیسے تمام عظیم واقعات بھی ایک تاریخی پہلو سے دیکھے جائیں اور بس ؟!

تو پھر کیوں ان تاریخی واقعات کو محور بنا کر اصول اور تحقیق کے نام پر علماء و محققین بے شمار کتابیں تحریر کر رہے ہیں اور مقالوں کی شکل میں لکھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں ؟

اگر یہ منطق صحیح ہے تو اس کی بناء پر اہلسنت کے بہت سے نظریات جیسے ابو بکر کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار میں رہنا اور خود ان لوگوں کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت کے وقت آپ کی جگہ پر ابو بکر کا نماز پڑھانا اور اس جیسے دیگر واقعات جن کے ذریعہ وہ لوگ اپنے خیال میں اپنے خلفاء، اور رہبر ان کی فضیلت وبرتری کو ثابت کرنے کے لئے اپنی کتابوں میں استدلال کرتے ہیں۔ پھر ان تمام واقعات کو بھی صرف تاریخی پہلو ہی سے دیکھنا چاہئے، ان کے بارے میں گفتگو کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے (اس لئے کہ تاریخی واقعات سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی!!)

اس لحاظ سے حضرت صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام کی نورانی زندگی کے تمام واقعات صرف

تاریخی نہیں کہے جاسکتے بلکہ ان سب کا ہمارے مذہب کے اصول سے گہرا تعلق ہے اور وہ تمام واقعات جو اس ماجرا پر ختم ہوتے ہیں یا اس کے بعد رونما ہوئے ہیں وہ سب ایک زنجیر کی کڑیوں کے مانند ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

اگر شیعہ اثنا عشری مذہب سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مظلومیت اور ان آثار و حقائق کو جو اس پر مترتب ہوتے ہیں نکال دیا جائے تو تاریخ اسلام کا عظیم اور سرنوشت ساز حصہ حذف ہو جائے گا اور ہمارا مذہب بھی دوسرے مذہب کے مانند بس یونہی ایک عام قسم کے مذہب میں تبدیل ہو جائے گا۔

اس اعتبار سے ہرگز یہ نہیں کہنا چاہئے کہ "یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی تحقیق میں صرف تاریخی پہلو پایا جاتا ہے اور بس" اس لئے کہ حضرت زہرا علیہا السلام کی مظلومیت کا مذہب تشیع کے عقیدہ اور بنیاد سے بطور مستقیم رشتہ پایا جاتا ہے۔

اس کتاب میں سیدۂ عالم حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مظلومیت کی روداد کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔ یہ تمام مطالب گرچہ ایک دوسرے سے متصل ہیں مگر بیشتر مطالب مستقل ہیں اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ آخر میں یہ بات ضرور روشن ہو جائے گی کہ یہ واقعہ عقیدتی پہلو کا حامل ہے اور مکتب تشیع کے اہداف و تکامل کی راہ میں بطور مستقیم اثر رکھتا ہے جو مذہب تشیع کے پیروکاروں کو صراط مستقیم کی راہ طے کرنے میں آسانی فراہم کرتا ہے۔

پہلی فصل

خدا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی عظمت و منزلت

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی منزلت روایتوں کی روشنی میں

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی شخصیت والا مقام اور ان کی منزلت نیز دیگر امور کے بارے میں بے شمار احادیث پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ شیعہ و سنی مذہب کے بزرگ علماء نے احادیث کو مستقل اور جداگانہ کتاب کی شکل میں یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے:

اصل بحث شروع کرنے سے پہلے چند روایتوں کا تذکرہ کرتا ہوں یہ حدیثیں۔ جو اہلسنت کے قدیم ترین مآخذ میں درج ہیں۔ حضرت صدیقہ طاہر علیہا السلام کی شناخت و معرفت کے سلسلہ میں اہم ترین نقش ادا کرتی ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سردار خاتون جنت ہیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں...:

فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ

فاطمہ علیہا السلام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

یہ حدیث حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ دوسرے الفاظ کیساتھ بھی نقل

ہوئی ہے مثلاً ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

فاطمۃ سیدۃ نساء ھذہ الامۃ

فاطمہ علیہا السلام اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

فاطمۃ سیدۃ نساء المومنین

فاطمہ علیہا السلام تمام باایمان عورتوں کی سردار ہیں۔

فاطمہ سیدۃ نساء العالمین

فاطمہ علیہا السلام عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔

ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کی شکل میں صحیح بخاری، مسند احمد بن حنبل، الخصائص نسائی، ابو دائود طیالسی کی المسند مسلم کی صحیح مسلم (فضائل حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی فصل میں) حاکم نیشاپوری کی المستدرک صحیح ترمذی، صحیح ابن ماجہ اور دوسرے ماخذ میں بھی ذکر ہوئی ہے۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جو بغیر منشأ وحی کے کلام ہی نہیں فرماتے) کی مذکورہ بالا حدیثوں کی بنیاد پر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام عالمین کی اول و آخر تمام عورتوں کی سردار ہیں۔

فاطمہ زہرا علیہا السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا ٹکڑا ہیں۔

شیعہ و سنی دونوں کی معتبر کتابوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔

---

1 صحیح بخاری: ۴/۲۰۹ کتاب بدء الخلق، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ، الخصائص: ۳۴، المسند ابی داوود طیالسی: ۱۹۷، صحیح مسلم: ۷/۱۴۳، الطبقات: ۲/۴۰ مسند احمد: ۶/۲۸۲، حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۹، المستدرک: ۳/۱۵۱، صحیح ابن ماجہ: ۱/۵۱۸، سنن ترمذی: ۵/۳۲۶

فاطمۃ بضعۃ منی مَن اغضبہا أغضبنی

فاطمہ علیہا السلام میرے وجود کا ٹکڑا ہے جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

یہ حدیث اسی لفظ اور متن کے ساتھ صحیح بخاری اور دیگر منابع میں بھی نقل ہوئی ہے۔[1]

دوسری تعبیر کے ساتھ نقل ہونے والی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ماأرابہا و یؤذینی ما آذاہا

فاطمہ علیہا السلام میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس چیز نے انھیں رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا اور اس نے مجھے اذیت پہنچائی جس نے انھیں اذیت پہنچائی۔

اس تعبیر کے ساتھ صحیح بخاری، مسند احمد، صحیح ابن داود، صحیح مسلم اور دیگر منابع میں بھی یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔[2]

صحیح مسلم میں یہ حدیث اس طرح نقل ہوئی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

انّما فاطمۃ بضعۃ منّی یؤ ذینی ماآذاہا،

یقیناً فاطمہ میرے وجود کا ٹکڑا ہے جو شئ انھیں اذیت دیتی ہے وہ مجھے

1 صحیح بخاری:۴/۲۱۰، کتاب بدء الخلق، باب مناقب قرابۃ الرسول و منقبۃ فاطمہ علیہا السلام

2 صحیح بخاری:۶/۱۵۸، مسند احمد: ۴/۳۲۸، صحیح مسلم:۷/۱۴۱، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل فاطمہ بنت النبیؐ، سنن ابی دائود: ۱/۴۶۰

اذیت دیتی ہے۔[1]

احمد بن حنبل نے المسند میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے:

انّما فاطمۃ بضعۃ منّی یو ذینی ماااذاھا و ینصبنی ما انصبھا

بیشک فاطمہ علیہا السلام میرے وجود کا ٹکڑا ہے جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے انھیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔[2]

اسی حدیث کو ترمذی نے بھی اپنی کتاب صحیح میں نقل کیا ہے۔[3]

حاکم نیشاپوری اسے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یہ حدیث بخاری و مسلم کے اصول کے اعتبار سے صحیح ہے۔[4]

احمد بن حنبل نے اپنی کتاب المسند کے دوسرے مقام پر اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

فاطمۃ بضعۃ منی یقبضنی ما یقبضھا و یبسطنی ما یبسطھا

فاطمہ میرے وجود کا حصہ ہے جو انھیں غمناک کرتا ہے وہ مجھے غمناک

1 صحیح مسلم: ۱۴۱/۷، باب فضائل فاطمہ علیہا السلام

2 مسند احمد: ۵/۴

3 سنن ترمذی: ۳۶۰/۵

4 المستدرک: ۱۵۸/۳

کرتا ہے اور جو انھیں شاد کرتا ہے وہ مجھے شاد کرتا ہے۔[1]

یہی تعبیر المستدرک اور دیگر منابع میں بھی آئی ہے حاکم نیشاپوری اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔[2]

فاطمہ علیہاالسلام کی خوشی وناخوشی خداوند عالم کی خوشی وناخوشی ہے

ایک عظیم الشان حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں:

ان اللہ یغضب لغضب فاطمۃ و یرضی لرضاھا

یقیناً خداوند عالم جناب فاطمہ زہرا علیہاالسلام کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے اور ان کی خوشنودی سے خوش ہوتا ہے۔

اس حدیث کو المستدرک، الاصابۃ اور تہذیب التہذیب میں دیکھا جا سکتا ہے، البتہ صاحب کتاب کنزل العمال نے بھی اسے ابویعلی، طبرانی اور ابونعیم سے روایت کیا ہے نیز اس کے علاوہ دیگر منابع میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔[3]

جو سب سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرے گا

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آنحضرتؐ نے نہایت حساس

---

1 مسند احمد: ۴/ ۳۲۳

2 المستدرک: ۳/ ۱۵۳، کنزالعمال: ۱۲/ ۱۱۱، ۱۳/ ۶۷۴

3 المستدرک: ۳/ ۱۵۸، الاصابہ: ۸/ ۲۶۶، تھذیب التھذیب: ۱۲/ ۳۹۲، کنزالعمال: ۱۲/ ۱۱۱ و ۱۳/ ۶۷۴

لمحہ میں بیٹی فاطمہ علیہا السلام کو طلب فرمایا اور آہستہ سے کچھ فرمایا، تو فاطمہ علیہا السلام نے گریہ شروع کر دیا پھر دوبارہ آپ نے انھیں بلایا اور کچھ آہستہ سے فرمایا تو شہزادئ کونین کے لب پر مسکراہٹ آگئی۔ [1]

جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دار فانی کو وداع فرمایا عائشہ نے جناب فاطمہ علیہا السلام کو قسم دلائی کہ اس راز کو بیان کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ آنحضرتؐ نے ان سے کیا فرمایا ہے حضرت فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا:

”سارنی رسول اللّٰہ (او:سارنی النبی) فاخبرنی یقبض فی وجعہٖ ھٰذافبکیت، ثم سارنی فاخبرنی انّی اول اھل بیتہ اتبعہ فضحکت:

”پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [2] نے آہستہ سے مجھ سے فرمایا میں اس مرض میں دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو مجھے رونا آگیا اس کے بعد آہستہ سے پھر مجھے خبر دی کہ تم اہلبیت کی پہلی فرد ہو گی جو مجھ سے ملاقات کرو گی تو میں خوش ہو گئی۔

یہ حدیث اہلسنت کی کئی معتبر کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ [3]

---

1 اس حدیث کی بعض عبارت میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فاطمہ زہرا علیہا السلام سے رازدارانہ گفتگو عائشہ کیلئے بہت گراں تھی۔

2 اہلسنت کی کتابوں اور ماخذ میں آنحضرتؐ کے بعد درودو سلام ناقص(اور ابتر کی) شکل میں آیا ہے مگر ہم نے آنحضرتؐ کی حدیث کے مطابق کامل نقل کیا ہے

3 صحیح بخاری:۴/۱۸۳، صحیح مسلم:۷/۱۴۲، المستدرک:۴/۲۷۲، مسند احمد:۶/۲۸۲، یہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صداقت میں سب سے زیادہ

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی منزلت اور عظیم شخصیت کے بارے میں عائشہ فرماتی ہیں:

''ما رأیت احداً کان اصدق لھجۃ منھا غیر ابیھا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے زیادہ صداقت اور سچائی میں کسی کو نہیں دیکھا"

حاکم نیشاپوری نے المستدرک میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

یہ روایت بخاری و مسلم کے اصول کے مطابق صحیح ہے اور ذھبی نے بھی اس کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے نیز یہ حدیث استیعاب اور حلیۃ الاولیا میں بھی نقل ہوئی ہے۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے

ایک روایت میں عائشہ سے نقل ہے:

''کانت اذا دخلت علیہ. علیٰ رسول اللہ □. قام الیھا فتقبلھا و رحب بھاو اخذ بیدھا فاجلسھا فی مجلسہ ''

جب فاطمہ زہرا علیہا السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ ان کے استقبال میں کھڑے ہو جاتے تھے، بوسہ لیتے تھے، ان کو خوش آمدید کہتے تھے، ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھاتے تھے"

حدیث سنن ترمذی ۳۶۹/۵ میں مختصر فرق کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

1 المستدرک: ۳/۱۶۰ حلیۃ الا ولیاء: ۲/۴۱، الاستیعاب: ۴/۱۸۹۶۔

حاکم نیشاپوری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:
''یہ روایت بخاری و مسلم کے اصول و قواعد کے مطابق صحیح ہے اور ذھبی نے بھی اس کے صحیح ہونے کو تسلیم کیا ہے۔1

سب سے زیادہ محبوب

طبرانی کی روایت کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:
'' فاطمۃ احب الیّ منک و انت اعزّ علی منہا''

فاطمہ میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک ان سے زیادہ عزیز ہو

ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:
اس حدیث کے تمام راویان صحیح ہیں۔2

علمائے اہلسنت کے اقوال پر ایک نظر

اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ آئندہ کی بحث کے متعلق بطور مقدمہ پیش کیا گیا ہے آئندہ جو مطالب پیش کئے جائیں گے اور واقعات کے تجزیہ میں جو کچھ بیان کیا جائے گا مذکورہ حدیثوں ہی سے استفادہ کرتے ہوئے پیش کیا جائے گا۔

آپ نے اچھی طرح ملاحظہ فرمایا کہ یہ حدیثیں اہلسنت کے اہم اور نہایت معتبر اسنادو ماخذ سے (جو خود ان کے نزدیک صحیح ہیں) انتخاب ہوئی ہیں جن کی دلالت میں بھی

---

1 المستدرک:۳/۱۵۴

2 مجمع الزوائد:۹/۲۰۲

کسی طرح کا نزاع نہیں ہے۔

مذکورہ حدیثوں کے استدلال میں ایک استدلال حضرت فاطمہ علیہا السلام کی عصمت کے ثبوت سے بھی متعلق ہے اور اس کے علاوہ آیت تطہیر اور دیگر دلیلیں بھی اس مطلب کو ثابت کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اہل سنت کے بے شمار محدثین، حفاظ اور اہل سنت کے بزرگ علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام خلیفہ اول و دوم سے برتر اور افضل ہیں۔

یہاں تک کہ بعض علماء نے مذکورہ حدیثوں خصوصاً پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث کہ "فاطمۃ بضعۃ منی۔ (فاطمہ میرے وجود کا ٹکڑا ہے) کی بناء پر فاطمہ علیہا السلام کو چاروں خلفاء سے افضل اور برتر شمار کیا ہے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مناوی" کی وہ عبارت پیش کی جائے جس میں اہل سنت کے بعض عظیم اور بزرگ علماء کے اقوال درج ہیں:

انہوں نے کتاب فیض القدیر میں حدیث "فاطمۃ بضعۃ منی" کے ذیل میں سہیلی (اہلسنت کے بزرگ عالم و حافظ ہیں جنھوں نے سیرۃ ابن ہشام اور دیگر کتابوں کی شرح کی ہے) سے چند مطالب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"سہیلی اس روایت کی بناء پر "استدلّ بہ السھیلی علیٰ من سبھا کفر، لأنہ یغضبہ وانھا افضل من الشیخین" اس شخص کے کفر پر استدلال کرتے ہیں جو فاطمہ علیہا السلام کو برا بھلا کہتا ہے اور لکھتے ہیں: جس نے انھیں برا کہا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غضبناک کیا اور فاطمہ ابو بکر و عمر سے افضل و برتر ہیں"

ایسے انسان کے کافر ہونے پر استدلال اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی افضلیت کی بات

کیلئے واقعی انھوں نے اس بات کو معیار قرار دیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کو برا بھلا کہنے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوتے ہیں اور جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غضبناک کرے وہ کافر شمار ہوتا ہے۔

اگر ''لانہ یغضبہ'' میں لام، لام علت مان لیا جائے تو یہ علت یا عام معنی کا فائدہ دیگا یا خاص کا، اور مختلف دلائل کی روشنی میں ناگزیر یہ لام علت اس مقام پر عمومیت کا فائدہ پہنچاتا ہے جس کے نتیجہ میں کفر ثابت ہوتا ہے۔

لہٰذا جو کام حضرت فاطمہ علیہاالسلام کے غضبناک ہونے کا سبب بنتا ہے وہ کفر کا بھی سبب بنتا ہے۔

تو فاطمہ علیہاالسلام کو اذیت دینا بھی کفر کا موجب ہو گا اس لئے کہ یقیناً فاطمہ علیہاالسلام کو اذیت دینے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوتے ہیں۔

''منّاوی'' آگے لکھتے ہیں:

''ابن حجر کہتے ہیں: اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس شخص کو اذیت دینا حرام ہے جس کو اذیت دینے سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے لہٰذا ہر وہ کوتاہی اور اذیت جو فاطمہ (علیہاالسلام) کے حق میں ہوتی ہے اور اس سے وہ اذیت محسوس کرتی ہیں اس حدیث کی دلالت کی بناء پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس نے اذیت دی ہے، اور فاطمہ (علیہاالسلام) کو کسی چیز سے اتنی اذیت نہیں ہوتی جتنی ان کے بیٹوں کو تکلیف دینے سے ہوتی ہے اس بناء پر تلاش وجستجو سے پتہ چلتا ہے: جو ایسا کام کرے گا عنقریب وہ دنیا میں اپنے انجام کو پہنچ جائے گا اور قیامت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت اور شدید ہو گا''

اس لحاظ سے یہ حدیث فاطمہ زہرا علیہاالسلام کو اذیت دینے کے حرام ہونے کا حکم لگاتی

ہے اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وجود کا ٹکڑا ہیں بلکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ انھیں اذیت دینے سے کفر کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد منّاوی اور لکھتے ہیں:

''قال السُبکی: الذی نختارہ وندین اللہ بہ ان فاطمہ افضل من خدیجۃ ثم عائشہ قال شہاب الدین ابن حجر :ولوضوح ما قالہ السبکی تبعہ علیہ المحققون، و ذکر العَلَم العراقی: ان فاطمۃ و اخاھا ابراہیم افضل من الخلفاء الاربعۃ باتفاق''

''سبکی کہتے ہیں کہ جس چیز کو میں اختیار کر رہا ہوں اور جس کے بارے میں خداوند عالم کے سامنے عہد کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام خدیجہ اور عائشہ سے افضل اور برتر ہیں۔ 1

شہاب الدین ابن حجر کہتے ہیں: سبکی کی بات کے واضح اور روشن ہونے کی بنا پر بعد میں آنے والے محققین نے ان کے نظریہ کی تائید اور پیروی کی ہے۔

علم الدین عراقی کہتے ہیں: حضرت فاطمہ علیہا السلام (اتفاق علماء کے مطابق) چاروں خلفاء سے افضل ہیں'' تو اس لحاظ سے ہمارے اور اہل سنت کے درمیان اس بات میں کسی طرح کا اختلاف نہیں پایا جاتا کہ فاطمہ علیہا السلام ابو بکر و عمر سے افضل ہیں اور انھیں اذیت و تکلیف دینا آتش جہنم میں جانے کا باعث ہوتا ہے۔

---

1 فیض القدیر فی شرح الجامع الصغیر: ۴/۴۲۱

جیسا کہ ملاحظہ کیا یہ تمام حدیثیں بہ طور کامل مطلق ہیں جن میں کسی طرح کی کوئی قید یا شرط نہیں لگائی گئی ہے اور نہ کوئی شرط نظر آتی ہے جب پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: خداوند عالم فاطمہ علیہا السلام کے غضبناک ہونے سے غضبناک ہوتا ہے تو اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی کہ "اگر ایسا ہوتا یا ویسا ہوتا" یا فلاں شرط کے ساتھ یا انکا غضبناک ہونا فلاں علت کی بنا پر ہو بلکہ بغیر کسی قید و شرط کے آنحضرتؐ فرماتے ہیں خداوند عالم حضرت فاطمہ علیہا السلام کے غضبناک ہونے سے غضبناک ہوتا ہے۔

یہ غضبناک ہونا کس وجہ سے ہو؟ کس شخص سے غضبناک ہوں؟ کس زمانہ میں ہوں؟ اس طرح کی کسی بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے بالکل مطلق اور بغیر کسی قید و شرط کے ہے۔

اور جب آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "جو انھیں اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے تو اس میں بھی پیغمبر اکرم ﷺ یہ نہیں فرماتے کہ اگر ایسا ہوتا یا اگر اذیت دینے والا فلاں ہوتا یا اگر فلاں وقت میں ہوتا بلکہ حدیث بطور کامل اور بالکل مطلق ہے کوئی شرط نہیں ہے ساتھ ہی ساتھ مذکورہ حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ علیہا السلام کی ہر بات کو تسلیم کرنا ضروری ہے اور انھیں جھٹلانا (خواہ کسی بھی دعوے کے بارے میں ہو) حرام ہے اسی طرح ملاحظہ کیا گیا کہ عائشہ گواہی دیتی ہیں کہ فاطمہ علیہا السلام اپنے پدر بزرگوار کے بعد صداقت و سچائی میں سب سے مقدم ہیں۔

یقیناً! حضور اکرم ﷺ کو اپنے بعد رونما ہونے والے واقعات کا مکمل علم تھا لہٰذا یہ باتیں پیش فرما رہے تھے اور دوسروں کو ان خصوصیات اور حالات سے آگاہ کر رہے تھے۔

دوسری فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک امیر المومنین علی علیہ السلام کی عظمت ومنزلت پر ایک نگاہ

حضرت علی علیہ السلام کو اذیت پہونچانا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہونچانا ہے:

پہلی فصل میں بحث اس سلسلے میں تھی کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو اذیت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے۔ اس فصل میں ان روایتوں کا ذکر کیا جارہا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام کو اذیت دینا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے۔

احمد بن حنبل اپنی کتاب المسند میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت فرماتے ہیں:

''من آذیٰ علیاً فقد آذانی''

''جس نے علی علیہ السلام کو اذیت دی اس نے در حقیقت مجھے اذیت دی ہے'' [1]

یہ حدیث اہل سنت کے بہت سے معتبر منابع میں نقل ہوئی ہے اسے ابن حِبّان، حاکم نیشاپوری، ابن حجر، اور ابن اثیر وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ [2]

متقی ہندی نے اپنی کتاب کنز العمال میں ابن شیبہ اور احمد بن حنبل سے اس

---

1 مسند احمد: ۳/۴۸۳

2 صحیح ابن حبان: ۱۵/۳۶۵، المستدرک: ۳/۱۲۱، الاصابہ: ۴/۵۳۴، اسد الغابہ: ۴/۱۱۴۔

حدیث کو نقل کیا ہے۔1

بخاری نے اپنی تاریخ اور طبرانی نیز دوسروں نے بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔2

علی علیہ السلام سے دشمنی نفاق ہے

مسلم نے اپنی کتاب صحیح میں حضرت علی علیہ السلام سے۔ تاکید اور قسم کے الفاظ کے ساتھ۔ایک روایت نقل کی ہے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ !انہ لعھد النبیّ الأُمیّ الیّ:ان لا یحبنی الا مؤمن ولایُبغضنی الا منافق''

"اس خدائے متعال کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسان کو خلق فرمایا !یقیناً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد وپیان کیا ہے کہ مجھے سوائے مومن کے کوئی دوست نہیں رکھے گا اور سوائے منافق کے کوئی مجھ سے دشمنی نہیں رکھے گا"۔3

یہ روایت اسی متن اور ان کے جیسے الفاظ کے ساتھ اہل سنت کے معتبر ماخذ میں معتبر علماء سے نقل ہوئی ہے جیسے نسائی، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ۔4

---

1 کنز العمال: ۱۱/ ۶۰۱

2 المستدرک:۳/ ۱۲۲، مجمع الزوائد:۹/ ۱۲۹، اسد الغابہ اور اصابۃ میں چند ائمہ کے حالات کے شرح میں نقل ہوئی ہے۔

3 صحیح مسلم:۱/ ۶۱، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ۔

4 سنن ابن ماجہ:۱/ ۴۲، سنن نسائی:۸/ ۱۱۷، سنن ترمذی:۵/ ۲۹۹۔

اسی طرح اس روایت کو احمد نے المسند میں حاکم نے المستدرک میں اور متقی ہندی نے کنزالعمال میں نقل کیا ہے۔[1]

مسند احمد اور صحیح ترمذی میں یہ حدیث اس طرح نقل ہوئی ہے: امّ سلمہ کہتی ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''لا یحب علیاًمنافق ولا یبغضہ مومن''

"منافق علیؑ کو ہرگز دوست نہیں رکھے گا اور مومن ان سے کبھی دشمنی نہیں کریگا"

اس حدیث کی روشنی میں ایک قابل توجہ اور دلچسپ بات سامنے آتی کہ! علی علیہ السلام سے محبت اور منافقوں سے دوستی دونوں ہرگز ہرگز جمع نہیں ہوسکتی ہے۔

لہذا اگر کوئی پیغمبر اکرم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی امامت وولایت کا قائل ہے اور دوسری طرف منافقو ں سے برائت اور دشمنی نہ رکھتاہو تو ایسا شخص خود منافق ہے اور مومنین ومنافقین دونوں طرف سے ٹھکرایا جائے گا اس لئے کہ ایک طرف تو حالت یہ ہے کہ منافقین علی علیہ السلام کی ولایت کے معتقد نہیں ہیں، جب کہ یہ فرد معتقد ہے اور دوسری طرف مومنین منافقوں کو دوست نہیں رکھتے جبکہ یہ فرد منافقوں سے برائت کا اظہار نہیں کرتا(تو یہ فرد منافق نہ ہوگا تو کیا ہوگا!؟)

اس بنا پر یہ دونوں باتیں کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔

---

1 مسند احمد: ۱/ ۸۴،۱۲۸، کنزالعمال: ۱۳/ ۱۲۰ شمارۂ ۳۶۳۸۵۔

آنحضرت ﷺ امت کی خیانت کے بارے میں مطلع فرماتے ہیں: حاکم نیشاپوری المستدرک میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرتے ہیں آپؑ نے فرمایا:

''انہ مما عهد الیّ النبیّ(□)أنّ الأُمّۃ ستغدر بی بعده''

''پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھ سے جو عہد و پیمان لیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے بعد امت مجھ سے خیانت کرے گی''۔[1]

حاکم نیشاپوری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس روایت کے تمام اسناد صحیح ہیں۔

ذھبی نے بھی تلخیص المستدرک میں لکھا ہے: یہ روایت صحیح ہے۔[2]

دوسری طرف یہ بات بھی نقل کے قابل ہے کہ علمائے اہلسنت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر وہ حدیث جس کے صحیح ہونے کے بارے میں ذھبی حاکم نیشاپوری کے ہمراہ اور موافق ہوں تو وہ دو صحیح حدیث کے حکم کی منزلت میں ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، بزار، دار قطنی، خطیب بغدادی، بیہقی، اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔[3]

---

1 المستدرک: ۳/۱۴۰

2 تلخیص المستدرک: ۳/۱۴۰

3 تاریخ بغداد: ۱۱/۲۱۶، تاریخ مدینۃ الدمشق: ۴۲/۴۴۷، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۹۹۵

تیسری فصل

خفیہ دشمنی

لوگوں کے دلوں میں دشمنی

ابویعلی اور بزّار نے اس سند کے ساتھ جسے حاکم، ذہبی ابن حبان اور دوسروں نے صحیح کہا ہے، حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''بینا رسول اللّٰہ آخذ بیدی ونحن نمشی فی بعض سکک المدینہ، اذ أتینا علیٰ حدیقۃ، فقلت:

یا رسول اللّٰہ !ماأحسنها من حدیقۃ !

فقال: انّ لک فی الجنۃ أحسن منها.

ثم مررنا بأُخری، فقلت :یا رسول اللّٰہ !ما احسنها من حدیقۃ !

قال: انّ لک فی الجنۃ أحسن منها.

حتیٰ مررنا بسبع حدائق، کل ذالک أقول ما احسنها ویقول :

لک فی الجنۃ أحسن منها، فلما خلا لی الطریق اعتنقنی،

ثم أجهش باکیاً.

قلت: یا رسول اللّٰہ !ما یبکیک؟
قال: ضغائن فی صدور أقوام لا یبدونها لک الا من بعدی.
قال: قلت : یارسول اللّٰہ !فی سلامۃ من دینی؟
قال: ''فی سلامۃ من دینک''

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور ہم دونوں مدینہ کی ایک گلی میں آہستہ آہستہ چل رہے تھے جب ایک باغ کے قریب پہونچے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ! یہ کتنا خوبصورت اور حسین باغ ہے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی علیہ السلام! تمہارے پاس جنت میں اس سے زیادہ خوبصورت اور حسین باغ ہے۔

اس کے بعد ایک اور باغ کے قریب پہونچے میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ یہ کتنا حسین باغ ہے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :بہشت میں اس سے زیادہ حسین و خوبصورت باغ تمہارے لئے موجود ہے۔

یہاں تک کہ سات باغ گذر گئے ہر باغ کے پاس میں یہی کہتا کہ: یہ کتنا حسین و جمیل باغ ہے! اور پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے: تمہارے پاس بہشت میں اس سے کہیں زیادہ حسین اور خوبصورت باغ موجود ہے۔ جب راستہ سنسان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے گلے لگا کر گریہ کرنے لگے میں

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیوں گریہ فرمارہے ہیں؟
فرمایا: اس امت کے دل میں تم سے دشمنی پائی جاتی ہے جس کو یہ لوگ میرے بعد آشکار کریں گے۔
میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا اس وقت میں اپنے دین پر رہوں گا؟
فرمایا: ہاں تم اپنے دین پر رہو گے۔

یہ حدیث اسی عبارت و متن کے ساتھ، **مجمع الزوائد** میں ابو نعیمی اور بزّار سے نقل ہوئی ہے [1] اور اسی سند کے ساتھ المستدرک [2] میں بھی موجود ہے۔ اور حاکم نیشاپوری اور ذہبی [3] دونوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس بنا پر یقیناً اس حدیث کی سند صحیح ہے، مگر کتاب المستدرک میں سند کو اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

یہ تو خدائے متعال ہی جانتا ہے کہ یہ تصرف خود حاکم کی جانب سے ہوا ہے یا نسخہ بدل میں کتابت سے ہوا یا پھر کتاب نشر کرنے والوں کی طرف سے!

ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کی سند وہی سند ہے جو ابو یعلی اور بزار کے نزدیک رہی ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح شمار کیا ہے اور ذہبی نے بھی انکی موافقت کی ہے۔

---

1 مجمع الزوائد : ۱۱۸/۹

2 المستدرک : ۱۳۹/۳

3 میزان الاعتدال: ۳۵۵/۳

البتہ جو دونوں ماخذ میں فرق پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حاکم نیشاپوری کی کتاب میں یہ حدیث ناقص نقل ہوئی ہے یعنی یہ حدیث صرف جملہ ''بہشت میں تمہارے پاس اس سے خوبصورت باغ موجود ہے'' پر ختم ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دیگر واضح حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ: حدیث میں جو کلمہ ''اقوام'' (امت) آیا ہے اس سے مراد قریش ہیں جس کا ذکر آئندہ عنوان میں پیش کیا جائے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کی گمراہی کا سبب کون لوگ تھے؟

ایک دوسری حقیقت بھی ہے جس کا تذکرہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کی ہلاکت اور گمراہی کے اصل سبب قریش ہی تھے ایک روایت میں نقل ہے کہ ابوہریرہ نے کہا:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''یهلک امتی هٰذا الحی من قریش''

" قریش کے کچھ لوگ میری امت کو ہلاکت و نابودی کی طرف لے جائیں گے۔"

لوگوں نے دریافت کیا: اس وقت ہم لوگ کیا کریں؟ فرمایا:

''لوان الناس اعتزلواهم''

''لوگ ان سے دوری اختیار کریں''

ابوہریرہ نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے میں نے راستگو اور سچے پیغمبرؐ سے سنا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا:

''هلاک امتی علیٰ یدی غلمۃ من قریش ''

"میری امت کی ہلاکت و نابودی قریش کے شہوت پرست لوگوں کے بدست ہو گی"

لوگوں نے پوچھا: کیا مروان ان لوگوں میں سے ہے؟

ابوہریرہ نے کہا: اگر ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر بتانا چاہوں تو بتا سکتا ہوں اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح حدیثوں میں شمار ہوتی ہیں۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت علیہم السلام سے قریش و بنی امیہ کی دشمنی

گذشتہ سطروں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیانت اور دشمنی کے آشکار کئے جانے کی خبر دے دی ہے۔ اب پیغمبر اکرم اور اہلبیت علیہم السلام سے قریش خصوصاً بنی امیہ کی دشمنی کے چند نمونے قارئین کیلئے پیش خدمت ہے۔

ان میں سے بعض کی دشمنی خود آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی آشکار ہو چکی تھی، چونکہ وہ لوگ حضرت ختمی مرتبتؐ سے انتقام نہیں لے سکتے تھے لہٰذا انہوں نے اہلبیت علیہم السلام سے انتقام لیا تاکہ اس طریقہ سے آنحضرتؐ سے انتقام لے سکیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اللّٰھمّ انی أستعدیک علیٰ قریش، فانھم أضمروالرسولک ضروباً من الشر والغدر، فعجزوا عنھا، و حُلت بینھم و بینھا، فکانت الوجبۃ

1 مسند احمد: ۲/ ۲۸۸ و ۳۰۱ و ۳۲۴و ۳۲۸

بی والدائرة علیّ.

اللّٰھمّ احفظ حسناً وحسیناً، ولا تمکّن فجرة قریش منھما ما دمت حیاً، فاذا توفّیتنی فانت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شئی شہید''

"پروردگارا! قریش کے مقابلہ میں میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں! وہ لوگ تیرے پیغمبر کے لئے اپنے دلوں میں کینہ اور دشمنی چھپائے ہوئے تھے جس کو آشکار کرنے سے عاجز رہے، خدارا! تونے ان کی حفاظت کی اور ہر طرح کے آسیب سے بچایا اور اب وہ لوگ مجھے اپنا نشانہ بنارہے ہیں وہ دشمنی مجھ پر ظاہر کی جارہی ہے اور اس طرح مجھے گھیر لیا ہے۔[1]

پروردگارا! حسنؑ حسینؑ کی حفاظت فرما اور جب تک میں زندہ ہوں، قریش کے فاجروں کو ان پر مسلط نہ فرمااور جب میں دنیا سے رخصت ہوجائوں توتوہی انکا محافظ ونگہبان ہے کہ توہر شئی پر گواہ ہے۔"

ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح امیر المومنین علیہ السلام ان کے کینہ ودشمنی کے بارے میں گفتگو فرمارہے ہیں کہ جو قریش کے دلوں میں چھپی ہوئی تھی۔ خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کی حیات طیبہ تک اس کو آشکار نہیں ہونے دیا اور آنحضرتؐ کے بعد وہ سارے کینہ امیر المومنین علیہ السلام پر ظاہر کردیئے گئے اور انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔

اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام اپنے کلام میں اس بات کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں کہ

1 شرح نہج البلاغہ : ۲۹۸/۲۰

قریش حسن و حسین علیہما السلام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتقام کے عوض قتل کر دیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام ایک دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

''وقال قائل انک یابن ابی طالب !علیٰ ھٰذا الامر لحریص. فقلت: بل انتم. واللہ. أحرص و أبعد، و أنا اخص و أقرب و انما طلبت حقاً لی و انتم تحولون بینی و بینہ، و تضربون وجھی دونہ، فلما قرّعتہ بالحجۃ فی الملأ الحاضرین ھبّ کانہ بہت لا یدری ما یجیبنی بہ.

اللھم انّی استعدیک علیٰ قریش و من أعانھم، فانھم قطعوا رحمی، وصغّروا عظیم منزلتی، و أجمعوا علیٰ منازعتی امراًھو لی، ثم قالوا:ألا انّ فی الحق أن تأخذہ و فی الحق ان تترکہ''

ایک شخص نے مجھ سے کہا: اے فرزند ابو طالب! آپ خلافت کے بارے میں حرص رکھتے ہیں۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! تم لوگ زیادہ حرص رکھتے ہو جبکہ تم لوگوں کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں سب سے زیادہ اس کے قریب اور اسکا مستحق ہوں میں اپنا حق طلب کرتا ہوں اور تم اس کے درمیان حائل ہو رہے ہو اور مجھے وہاں تک پہنچنے سے روک رہے ہو۔

جب لوگوں کی موجودگی میں اسے محکم دلیل و برہان کے ذریعہ خوب سمجھایا تب وہ متوجہ ہوا اور اس قدر حیران تھا کہ میرا جواب نہ دے سکا۔

خدایا! میں تیری بارگاہ میں قریش اور ان لوگوں سے جو ان کی مدد کرتے ہیں انصاف چاہتا ہوں اس لئے کہ انھوں نے میرے ساتھ قطع رحم کیا اور میری عظمت و منزلت کو گھٹایا ہے اور اس چیز کے بارے میں جو میرا حق تھا آپس میں میرے خلاف جنگ کے لئے اتفاق کر لیا ہے، اس کے بعد لوگوں نے کہا: ہاں! کبھی حق لے لیا کرو کبھی چھوڑ دیا کرو۔[1]

حضرت علی علیہ السلام اپنے بھائی جناب عقیل کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

فدع عنک قریشاً و ترکاضهم فی الضلال، و تجوالهم فی الشقاق، وجما حهم فی التیہ، فانهم قد اجمعوا علیٰ حربی اجماعهم علیٰ حرب رسول الله قبلی، فجزت قریشاً عنی الجوازی، فقد قطعوا رحمی وسلبونی سلطان ابن اُمّی

"قریش اور ان کی گمراہی میں تیز رفتاری، تفرقہ میں گردش اور ضلالت میں منہ زوری کا ذکر چھوڑ دو کہ ان لوگوں نے مجھ سے جنگ پر ویسے ہی اتفاق کر لیا ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ پر اتفاق کیا تھا، اب اللہ ہی قریش کو ان کے کئے کا بدلہ دے کہ انہوں نے میری قرابت کا رشتہ توڑ دیا اور مجھ سے میرے ماں جائے (پیغمبر اکرم) کی حکومت سلب کر لی"۔[2]

1 نہج البلاغہ : ۲/ ۸۴۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۱۷۱

2 شرح نہج البلاغہ : ۱۶/۱۵۱

ابن عدی اپنی کتاب الکامل میں روایت کرتے ہیں:

ایک دن ابوسفیان نے کہا: بنی ہاشم کے درمیان محمد ﷺ کی مثال اس خوشبودار پھول کی طرح ہے جو بدبودار چیزوں کے درمیان ہو (!!)[1]

ابوسفیان کی یہ بات کسی نے آنحضرت ﷺ سے بتا دی، پیغمبر اکرم ﷺ کھڑے ہوئے جبکہ آپ کے چہرۂ مبارک سے غضب کے آثار نمایاں تھے، فرمایا:

''مابال اقوام تبلغنی عن اقوام ...''

''یہ کیسی باتیں ہیں جو میں بعض لوگوں کی جانب سے سن رہا ہوں۔''[2]

ابن عدی نے الکامل میں اس روایت کو ابوسفیان کیلئے اس صراحت کے ساتھ نقل کیا ہے۔ قابل غور ہے۔

بعض کتابوں میں یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے مگر ابوسفیان کے بجائے ایک شخص نے کہا؛ نقل کیا گیا ہے، بطور نمونہ مجمع الزوائد کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔[3]

دوسری روایت میں نقل ہے:

''عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ہم آپ کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والے کی طرف سے بیہودہ کلام سن رہے ہیں یہاں تک کہ ایک شخص کہتا ہے!

---

1 ہم نے اہل سنت کی معتبر عبارتوں کے ترجمہ میں قابل غور اور محل تأمل مقام پر (!!) نشانی قرار دی ہے۔

2 الکامل فی الضعفاء: ۲۸/۳

3 مجمع الزوائد: ۲۱۵/۸

محمد ﷺ اس خرمے کے درخت کے مانند ہیں جو کسی کوڑا کرکٹ کے انبار پر اُگا ہوتا ہے (!!)[1]

یہ روایت بھی بعض ماخذ میں تحریف کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

آخر یہ تمام دشمنی کس لئے؟

تعصب اور عناد کے بغیر دیکھا جائے تو واقعی یہ ساری دشمنیاں اور مختلف سازشیں کیا اس لئے نہیں ہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اور پیغمبر اکرم ﷺ کے درمیان مخصوص قرابت اور مضبوط رشتہ پایا جاتا ہے؟ یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام سے اس لئے انتقام لے رہے تھے تاکہ اس طرح آنحضرت ﷺ سے انتقام لے سکیں۔

البتہ حضرت علی علیہ السلام کی مخصوص قرابت کے ساتھ ساتھ ان کی مختلف جنگوں میں قریش کے بڑے بڑے بہادر اور سورما کو بدست علیؑ تہہ تیغ کئے جانے کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے (اس لئے کہ) عثمان نے امیر المومنین علیہ السلام سے ایک بار دوران گفتگو اس بات کو واضح کر دیا تھا۔

آبی کتاب نثر الدّرر[2] میں ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علی علیہ السلام کے ساتھ ایک گفتگو میں عثمان نے کہا:

''ما اصنع ان کانت قریش لا تحبکم، و قد قتلتم

---

1 وہی مدرک

2 یہ کتاب طبع ہو کر بازار میں دستیاب ہے مزید معلومات کے لئے شرح نہج البلاغہ ۹/ ۲۳ ملاحظہ کیا جائے۔

منهم يوم بدر سبعين كانّ وجوههم شنوف الذهب‘‘

(میں کیا کروں قریش آپ کو چاہتے ہی نہیں ہیں! آپ نے جنگ بدر میں ان کے ستّر آدمیوں کو تہہ تیغ کیا ہے جن میں کا ہر ایک مانند طلاء روشن وچمکدار تھا)(!!)

وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان دشمنیوں کو ظاہر نہ کر سکے اس لئے ان لوگوں نے آپ ؐ کے بعد اہلبیت علیہم السلام سے انتقام لیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ نے خبر دی تھی۔

ایک کے بعد ایک واقعات اسی طرح رونما ہوتے رہے اور وہ لوگ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور امیر المومنین علیہ السلام سے انتقام لیتے رہے، پھر وقت آیا تو امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے انتقام لیا اور ان کی یہ دشمنی آج بھی مسلسل ظاہر ہوتی رہتی ہے:

حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام سے دشمنی

تاریخ سے جو چیز ثابت ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے وہ یہ کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث وروایات کی نشر واشاعت پر شدید قسم کی پابندی عائد تھی، دوسری طرف اہلسنت کے محدثین وروات اپنی جانب سے احادیث میں بے جا دخل وتصرف کر رہے تھے، خلفاء کی طرف سے اہم ترین اور عظیم الشان حدیثوں کے نقل کرنے کی ممانعت تھی، وہ کتابیں جن میں اس قسم کی حدیثیں اور روایتیں درج تھیں انھیں جلا دیا جاتا یا نابود کر دیا جاتا تھا، جب صورت حال یہ تھی تو کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت سیدہٴ عالم کی مظلومیت سے متعلق روداد وواقعات ان کی تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ صحیح شکل و صورت میں نقل ہو کر ہمارے پاس موجود ہوں گے۔

بلکہ ان حالات میں تو ہم مختصر میں بھی مختصر ہی تک رسائی پیدا کر سکتے ہیں، جنھیں محدثین و مورخین نے اپنے زمانہ کی تمام مشکلات اور جان لیوا حالات و شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے چھپتے چھپاتے ہوئے، جھگڑوں اور اختلافات سے اپنے لئے راستہ نکالتے ہوئے کتابوں میں درج کر دیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے تو اپنے اہلبیت علیہم السلام کو خبر دیدی تھی کہ یہ امت میرے بعد تمہارے ساتھ خیانت کرے گی، اور یہ لوگ اپنی دشمنی کو ظاہر کریں گے اور تم سے انتقام لیں گے۔

انتقام۔ یعنی پیغمبر کے پارۂ جگر کو اذیت دیکر رسول اللہ سے انتقام لیں گے، اس لئے کہ وہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے وجود کا ٹکڑا اور حصہ ہیں، جس کی بنا پر حضرت فاطمہ علیہا السلام سے انتقام لینا گویا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے انتقام لینا ہے، حضرت فاطمہ علیہا السلام امت کے درمیان پارۂ جگر کی شکل میں موجود تھیں تا کہ یہ امت آزمائی جائے امتحان میں مبتلا ہو اور پھر جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہو انھیں آشکار کرے۔

اور یہ امتحان۔ بہت جلد ہو ازیادہ وقت نہیں گذرا کہ رسول اللہ کے وجود کا ٹکڑا ان سے جا کر ملحق ہو گیا (اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے جو فرمایا تھا اس کا ایک ایک حرف سچا ثابت ہوا)

ہم ہر گز اس بات کی امید اور توقع نہیں رکھتے ہیں کہ ان تمام واقعات اور مسائل تک وہ بھی اپنی صحیح شکل و صورت میں اور پورے تفصیل کے ساتھ دسترسی پیدا کر لیں گے، بلکہ اگر ان کا ۵۰ ر فیصد بھی حاصل کر لیں تو ہم دوسرے ۵۰ ر فیصد کو استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انھیں سمجھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

تو ہم نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ ان لوگوں نے کس طرح روایتوں میں تحریف کی یہاں تک کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں ابوسفیان کی بیہودہ گوئی کو بھی تحریف کر دیا اور روایت سے ابوسفیان کے نام کو حذف کر کے "ایک شخص نے کہا" رکھ دیا گیا!

اس بنا پر آپ کی یہ توقع بیجا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد رونما ہونے والے تمام واقعات کو یہ راویان ہمارے لئے نقل کریں گے آخر کس بنیاد پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ روایان حدیث ان تمام تلخ اور ناگوار روداد کو بیان کریں گے ؟

مگر دوسری طرف سے ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کو اپنے لطف و عنایت سے دور نہیں رکھا ہے، زمانہ کے ان تمام نامساعد حالات میں جہاں سختی ہی سختی تھی، دشواریاں ہی دشواریاں تھیں، حکومت کی طرف سے جان لیوا خطرات ہی خطرات تھے، مگر اس کے باوجود میدان حدیث و تاریخ کے سورمائوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر حساس واقعات سے متعلق احادیث وروایات کے گوشوں کو بڑی شجاعت و دلیری کے ساتھ ہم تک پہونچا دیا تا کہ ہم ایک دوسرے سے تمیز دیکر راہ حق کو اپنا سکیں۔

واضح رہے کہ کتاب میں صرف اہلسنت ہی کے معتبر اور اہم منابع ومآخذ سے ہم نقل کریں گے اور شیعہ کتابوں میں جو کچھ آیا ہے انھیں کسی بھی عنوان سے بطور اسناد پیش نہیں کریں گے، ہماری کوشش یہی ہے کہ امکان بھر اہلسنت کے قدیم ترین ماخذ سے استفادہ کریں اور وہ کتابیں جو بعد کی صدیوں میں تالیف ہوئی ہیں ان سے مطالب نقل نہ کریں۔

چوتھی فصل

حقائق کی تحریف اور ان کی کاٹ چھانٹ

تحریف حقائق: حقیقت یہ ہے کہ اہلبیت علیہم السلام سے دشمنی کے نتیجہ میں امت کی طرف سے جو ظلم و بربریت اور خیانتوں کا سلسلہ چلا سوائے چند کتابوں کے کہیں بھی اس کے اثرات دکھائی نہیں دے رہے ہیں، اس کی وجہ بھی واضح و آشکار ہے، اس لئے کہ پہلے تو عرصہ دراز تک خلفاء نے حدیثوں کے لکھنے اور جمع کرنے پر پابندی عائد کر رکھی تھی، اس کے بعد جب تدوین حدیث کے دور کا آغاز ہوا تو انھیں حاکموں اور مخصوص افراد کی نظارت اور نگرانی میں ہوا (جنھیں مخصوص اور حساس قسم کی روایتوں سے بیر تھا اس طرح یہ عمل خاص نظریہ اور خاص فرد کے ذریعہ کنٹرول ہوتا رہا)

ان حالات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اگر کسی شخص کے اختیار میں تھی تو اس نے دوسروں سے نقل نہیں کیا، اور اگر کسی نے اسے نقل بھی کیا تو لکھا نہیں جاتا تھا، یہی نہیں بلکہ نشر و اشاعت پر بھی پابندی ہوتی تھی کہ یہ دوسروں تک نہ پہونچنے پائے یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس ایسی کتاب موجود ہوتی جس میں اس طرح کے حساس مسائل سے متعلق کوئی روایت یا کوئی بات موجود ہوتی تو اسے چھین کرنابود کر دیا جاتا یا خود وہ شخص اس کتاب کو چھپا دیتا اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

ابن عدی اپنی کتاب: "الکامل فی الضعفاء" کے آخری حصہ میں بخاری کے استاد "عبد الرزاق بن ہمام صنعانی" کے حالات میں لکھتے ہیں:

صنعانی کے پاس بہت سی مختلف قسم کی حدیثیں موجود تھیں مسلمانوں میں قابل اعتماد اور اہل علم افراد اور خود مسلمانوں کے رہبر اور پیشوا ان کے پاس دور دراز کا سفر طے کر کے جاتے تھے اور ان سے احادیث سن کر جمع کرتے تھے۔

مگر خوف اور ڈر کی وجہ سے ان سے کوئی حدیث نقل نہیں ہوئی ہے البتہ ان کے شیعہ ہونے کی بھی لوگوں نے نسبت دی ہے، انہوں نے فضائل میں ایسی بہت سی حدیثوں کو نقل کیا ہے کہ ثقہ راویوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے نقل سے موافق نہیں تھا، عبد الرزاق بن ھمام کی حدیثوں کو چھوڑ دینے اور نقل نہ کرنے کی یہی سب سے بڑی اور اہم دلیل ہے۔

عبد الرزاق بن ھمام نے دوسروں کے عیوب و نقائص میں بھی احادیث کو نقل کیا ہے جن کو میں یہاں ذکر نہیں کروں گا، لیکن میں ان کی صداقت و سچائی کے بارے میں اطمینان رکھتا ہوں، ہاں ان کا سب سے بڑا عمل یہی ہے کہ انہوں نے اہلبیت علیہم السلام کے فضائل اور دوسروں کے عیوب و نقائص میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ [1]

ابن عدی عظیم حافظ عبد الرحمٰن بن یوسف بن خراش کے حالات میں لکھتے ہیں:

میں نے عبدان سے سنا ہے !ابن خراش نے دو جلد کتابیں۔ جو شیخین کے طعن و تشنیع اور عیوب و نقائص میں لکھی تھیں۔ بندار کے حوالے کیا اور دو ہزار درھم کے عوض نقل کی اجازت دیدی۔ تو یہ دو جلد کتابیں کہاں گئیں؟؟

1 الکامل فی الضعفاء: ۶/ ۵۴۵

اس کے بعد ابن عدی کہتے ہیں !میری نظر میں ابن خراش عمداً جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔ [1]
(یعنی شیخین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے جھوٹ نہیں لکھا۔ مترجم)
اس بنا پر وہ جھوٹے نہیں ہیں۔

اب اگر ذھبی کی کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' یا ان کی تذکرۃ الحفاظ، ملاحظہ کی جائے تو پتہ چلے گا کہ ذھبی نے ابن خراش پر کس قدر الزام تراشی کی، ان کو برا بھلا کہا، اور اس طرح لعن و طعن کیا جیسے کسی کفر اختیار کرنے والے پر کیا جاتا ہے۔ [2]

کوئی ہر گز یہ خیال نہ کرے کہ ابن خراش شیعہ تھے اس لئے کہ وہ نہ صرف اہلسنت کے عظیم دانشمندوں اور راویوں کے بارے میں جرح و تعدیل کرنے والوں میں مقدم شمار ہوتے ہیں بلکہ علمائے اہلسنت کسی راوی کے قول کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں ان کی رائے اور نظریہ پر اعتماد کرتے ہیں اس کے بھی چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ ابن خراش عبد اللہ بن شقیق کے حالات زندگی کے بارے میں کہتے ہیں: عبد اللہ بن شقیق قابل اعتماد ہیں وہ عثمانی تھے، اور علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتے تھے۔ [3]

اس بنا پر ابن خراش شیعہ نہیں تھے، اس لئے کہ انہوں نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے اور بطور صراحت کہا ہے، وہ عثمانی تھے اور حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتے تھے۔

بیشک وہ شیعہ نہیں تھے، بلکہ اہلسنت کے عظیم حافظ اور عالم تھے مگر اس کے باوجود ابو بکر و عمر کے عیوب و نقائص میں دو جلد کتابیں لکھی تھیں۔ احمد بن حنبل کتاب

---

1 الکامل فی الضعفاء: ۵/۵۱۹

2 سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۵۰۹، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۸۴، میزان الاعتدال: ۲/۶۰۰۔

3 تہذیب التہذیب: ۵/۲۲۳۔

العلل میں لکھتے ہیں، ابو عوانہ [1] نے اصحاب پیغمبر اکرم ﷺ کے عیوب و نقائص کے بارے میں کتاب لکھی ہے۔

سلاّم بن ابو مطیع [2] ان کے پاس آئے اور کہا: اے ابو عوانہ! ذرا وہ کتاب مجھے دیجئے ابو عوانہ نے کتاب ان کے سپرد کی سلاّم نے اسے لیکر جلا دیا۔ [3]

۲۔ احمد بن حنبل اسی کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن مہدی [4] لکھتے ہیں: میں نے جب ابو عوانہ کی کتاب ملاحظہ کی تو خداوند عالم سے اس کیلئے مغفرت کیا۔ [5]

یہ بات دلچسپ ہے، ایک آدمی کتاب دیکھتا ہے تو خدا سے طلب مغفرت کرتا ہے دوسرا کتاب لیکر صاحب کتاب کی اجازت کے بغیر آگ کے حوالے کر دیتا ہے۔

۳۔ میزان الاعتدال میں ابراہیم بن حکم بن زہیر کوفی کے حالات کے بارے میں لکھا ہے: ابو حاتم کہتے ہیں: انھوں نے معاویہ کے عیوب کے بارے میں روایتیں نقل

1 ابو عوانہ اہلسنت کے عظیم حافظ اور محدث شمار ہوتے ہیں انھوں نے صحیح ابو عوانہ کے نام سے کتاب تالیف کی ہے۔

2 ذہبی نے ان کے بارے میں اس طرح لکھا ہے: وہ صحیح بخاری و مسلم کے رواۃ اور پیشوائے رہبران سے ہیں۔ سیر اعلام النبلاء: ۷/۴۲۸

3 کتاب العلل والرجال: ۱/ ۶۰

4 ذہبی ان کے بارے میں کہتے ہیں: وہ رواۃ کے سلسلہ میں جرح و تعدیل کرنے والوں میں مقدم اور حافظوں کے سردار تھے۔ سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۱۹۲۔

5 کتاب العلل والرجال: ۳/ ۹۲۔

کی ہیں جنھیں ہم نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔[1]

۴۔ حسین بن حسن اشقر کے حالات زندگی کے بارے میں نقل ہے: احمد بن حنبل ان سے حدیث نقل کرتے تھے اور کہتے تھے، وہ میری نظر میں دروغ گو نہیں تھے۔[2]

کسی نے احمد بن حنبل سے کہا: ''اشقر نے ابو بکر و عمر کی مذمت میں حدیثیں نقل کی ہیں اور ان کے عیوب و نقائص سے متعلق ایک مخصوص فصل بھی قرار دی ہے احمد بن حنبل نے جب سنا تو کہا: اب ان سے حدیثیں نقل کرنا مناسب نہیں ہے۔[3]

واقعی یہ بات ہمیں کوئی بتائے کہ وہ دو کتابیں کہاں گئیں یا وہ فصل جس میں ابو بکر و عمر کے عیوب نقل کئے گئے تھے کہاں ہے؟

اس کتاب سے کوئی چیز روایت کیوں نہیں کی گئی اور ہم تک کیوں نہیں پہونچی؟

احمد بن حنبل کو جیسے ہی خبر ہوتی ہے کہ،، اشقر،، نے شیخین کے بارے میں حدیثیں نقل کی ہیں اور انھیں اپنی کتاب میں جگہ دی ہے تو آخر کیوں ان کے بارے میں اچانک نظریہ بدل جاتا ہے۔ اور تھوڑی دیر پہلے جو شخص ان کے نزدیک سچ بولنے والوں میں شمار ہوتا تھا یکایک ان کے نزدیک ایسا جھوٹا اور غیر قابل اعتماد ہو گیا کہ اب اس قابل نہیں رہا کہ اس سے کوئی روایت نقل کی جائے؟

جبکہ دوسری طرف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ علمائے اہلسنت نے بہت

---

1 میزان الاعتدال: ۱/۲۷۔

2 ذرا دقت کیجئے! احمد بن حنبل ان سے حدیث نقل کرتے ہیں اور کہتے: وہ میری نظر میں جھوٹے نہیں تھے۔

3 تہذیب التہذیب: ۲/۲۹۱۔

سے محدثین اور بزرگان حدیث کے حالات زندگی کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابو بکر و عمر پر لعن طعن کی اور برا بھلا کہا جبکہ وہ بزرگان حدیث صحاح ستہ کے راویوں کا حصہ شمار ہوتے ہیں۔

بطور نمونہ اور بغرض اطمینان حسب ذیل لوگوں کے حالات زندگی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اسماعیل بن عبد الرحمٰن السدّی [1]

تلید بن سلیمان [2]

جعفر بن سلیمان الضبعی وغیرہ [3]

کیا یہ قابل غور بات نہیں ہے واقعی ان لوگوں نے شیخین کو کیوں لعن طعن کیا؟

کیا کوئی روایت (یا روایتیں) ان لوگوں تک پہونچی، جس نے ان لوگوں کو لعن و طعن کرنے پر مجبور کیا، اور انہوں نے ان روایتوں کو ملاحظہ کر کے عمر و ابو بکر پر لعن و فحش کیلئے جواز فراہم کر لیا؟؟ (اگر ایسی روایتیں تھیں!)

تو پھر آج وہ روایتیں کہاں گئیں؟

اسی طرح اہلسنت کے عظیم الشان اور بزرگ رجال حدیث اور حفاظ کے حالات زندگی کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ لوگ بھی عثمان اور معاویہ کو لعن اور فحش باتوں سے نوازتے تھے، اور ان کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ شاید شمار کرنا مشکل ہو جائے۔

---

1 وہی مدرک : ۱/۴/۲۷

2 تہذیب الکمال: ۴/۳۲۲

3 تہذیب التہذیب : ۲/۸۲۔۸۳

واضح ہو کہ تیسری صدی کے آخر میں شیخین پر لعن و طعن ہونے کے سلسلہ میں تاریخ میں بہت زیادہ نقل ہوا ہے، زائدہ بن قدامہ (تیسری صدی کے آخر میں زندگی بسر کی ہے) کہتے ہیں یہ کیسا زمانہ آگیا ہے؟! لوگ ابو بکر و عمر کو فحش دیتے ہیں۔[1]

یہ (نیک) رسم پھیلتی رہی، یہاں تک کہ چھٹی صدی میں اہلسنت کے عظیم محدث عبدالمغیث بن زہیر بن حرب حنبلی بغدادی نے یزید بن معاویہ کی فضیلت اور اس پر لعنت کے عدم جواز پر ایک کتاب لکھی اور جب ان سے کتاب لکھنے کا سبب دریافت کیا گیا تو کہا: میرا مقصد یہ تھا کہ اس سے لوگوں کی زبان کو خلفاء پر لعن و طعن کرنے سے باز رکھوں۔[2]

آٹھویں صدی ہجری میں تفتازانی نے اپنی کتاب میں اس طرح لکھا ہے:

''فان قیل :فمن علماء المذھب من لم یجوز اللعن علیٰ یزید مع علمھم بانہ یستحق ما یربو علیٰ ذٰلک و یزید؟.

قلنا : تحامیاًعن أن یرتقی الیٰ ا لاعلیٰ فالا علیٰ، ،

''اگر کوئی پوچھے کہ ہمارے بعض علماء باوجودیکہ یزید مستحق لعنت ہے پھر اس پر لعنت کو جائز کیوں نہیں قرار دیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ھیکہ چھوٹے کو لعنت سے بچا کر بڑوں کو محفوظ کیا جاسکے''[3]

عصر حاضر میں بھی کچھ لوگ یزید، حجاج، اور ھند کے فضائل و مناقب کے بارے

---

1 وہی مدرک : ۳/۲۶۴

2 سیر اعلام النبلاء : ۲۱/۱۶۱

3 شرح المقاصد : ۵/۳۱۱

میں کتاب لکھ رہے ہیں:

میری نظر میں یہ تمام حضرات جو کتابیں لکھ رہے ہیں وہ خوب بہتر جانتے ہیں، جن فضائل و مناقب کی ایسے لوگوں کی طرف نسبت دے رہے ہیں وہ جھوٹ اور فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہیں اور وہ یقیناً مستحق لعنت ہیں، ایسی کتابیں لکھی جانے کا صرف اور صرف ایک مقصد ہے وہ یہ کہ ایسے خرافات اور بیہودہ مضامین میں حقیقی دانشوروں اور اہل تحقیق اور اہل فکر و نظر کو مشغول رکھا جائے،

شاید اس کے ذریعہ ان سے بڑے لوگوں اور صف اول کے خلفاء تک لعن و طعن سرایت کرنے سے بچایا جاسکے۔ اور یہیں سے یہ بات بھی بالکل آشکار ہو جاتی ہے کہ: جو لوگ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری، شعائر حسینی، اور روز عاشورہ کے واقعات کو ذکر کرنے سے منع کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ یزید پر لعنت نہ کی جائے کہ اس پر لعنت کرنے سے کہیں خلفاء تک لعنت سرایت نہ کر جائے۔

پانچویں فصل

غصب فدک اور اس کے نتائج

غصب فدک اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تکذیب

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اہلبیت علیہم السلام سے متعلق رونما ہونے والی اہم ترین رواد میں سے ایک روداد فدک کا چھینا جانا تھا جو حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی ذاتی ملکیت تھا، فدک کے غصب کرنے اور اسے زبردستی چھینے جانے سے جو سب سے برا نتیجہ ظاہر ہوا وہ ہے حضرت ختمی مرتبتؐ کی عظیم الشان بیٹی حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کی تکذیب اور انھیں جھٹلایا جانا۔ میری نظر میں حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کا جھٹلایا جانا اور ان کی بات تسلیم نہ کرنا، خود نہایت عظیم مصیبت ہے۔[1]

---

1 یقیناً یہ کتنی عظیم مصیبت ہے۔ فقہائے شیعہ میں سے کسی فقیہ کے حالات زندگی میں نقل ہوا ہے کہ ایام عزاداری امام حسین علیہ السلام میں کسی خطیب نے ان کے سامنے ذکر مصائب کے وقت یہ جملہ ادا کیا "حضرت زینب علیہا السلام ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوئیں"، خطیب اس دربار میں رونما ہونے والے واقعات کی تشریح کرنا چاہتا تھا، فقیہ نے خطیب کو اشارہ کیا کہ تھوڑی دیر رک جاؤ آگے کے واقعات ابھی بیان نہ کرو اس کے بعد فرمایا: پہلے ہم لوگ جملہ "حضرت زینب علیہا السلام دربار ابن زیاد میں حاضر ہوئیں"، کے حق کو بخوبی ادا کرلیں واقعی وہ کتنی عظیم اور بڑی مصیبت تھی!! (اسی طرح جگر گوشۂ رسول صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کا دربار خلافت میں آنا خود ایک عظیم مصیبت ہے!!)

فدک کا واقعہ صرف باغ، زمین یا ملکیت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ حضرت صدیقہ طاہرہ علیہاالسلام پر ظلم، ان کے حق کی نابودی، ان کی منزلت و عظمت کی بے حرمتی، اور سب سے بڑھکر اذیت دینے، انھیں جھٹلانے اور غضبناک کرنے کا مسئلہ ہے۔ واقعۂ فدک کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں اہم اور نہایت معتبر کتابوں کی روشنی میں چند مختلف زاویہ سے پیش کر رہا ہوں:

باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کی ملکیت تھا

باغ فدک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی میں حضرت فاطمہ علیہاالسلام کی ملکیت تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں اسے فاطمہ علیہاالسلام کو عطا کر دیا تھا، اور یہ بات شیعہ سنی دونوں کتابوں میں موجود ہے، اس سلسلہ میں اہل سنت کی کتابوں سے روایتیں نقل کر رہا ہوں۔

بزّار، ابو نعیمی، ابن ابی حاتم، اور ابن مردویہ، اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ابو سعید خدری کہتے ہیں: جب آیۂ {وآت ذی القربیٰ حقہ} نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ زہرا علیہاالسلام کو بلایا اور انھیں فدک عطا کر دیا۔

یہ حدیث ابن عباس سے بھی روایت ہوئی ہے نیز اسے گذشتہ بزرگ علماء و محدثین کی روایت سے ،، الدر المنثور ،، میں دیکھا جا سکتا ہے۔ [1] اسی طرح حاکم، طبرانی، ابن النجار، ھیثمی، ذھبی، سیوطی، متقی ھندی، اور دوسرے لوگ بھی اس حدیث کے راوی شمار کئے جاتے ہیں۔

---

1 الدر المنثور فی التفسیر بالماثور: ۴/۱۷۷

ابن ابی حاتم نے اس حدیث کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، اور یہ وہ تفسیر ہے جس کے بارے میں ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ ہر جعلی حدیث سے خالی ہے۔ [1]

اہلسنت کے بے شمار عظیم علماء اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ باغ فدک حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کی ملکیت تھا، اور اسے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے فاطمہ علیہا السلام کیلئے عطیہ اور ہدیہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

سعد الدین تفتازانی اور ابن حجر مکی من جملہ ان علماء میں ہیں۔

ابن حجر مکی الصواعق میں لکھتے ہیں:

''انّ ابا بكر انتزع من فاطمۃفدکاً''

''ابو بکر نے فدک کو فاطمہ علیہا السلام سے چھین لیا۔'' [2]

اس سے معلوم ہوتا ہے فدک حضرت فاطمہ علیہا السلام کے اختیار میں تھا ابو بکر نے ان سے چھین لیا تھا مگر...

کیوں؟ اور کس وجہ سے اور کس دلیل کی بنا پر؟

تھوڑی دیر کیلئے فرض کر لیتے ہیں ابو بکر کو نہیں معلوم تھا کہ فدک حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ملکیت تھا، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں عطا کر دیا تھا اور انھیں آنحضرتؐ نے فدک کا صاحب اختیار قرار دیا تھا تو کیا فدک چھیننے سے پہلے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے اس کے

1 منهاج السنۃ: ۷/۱۳

2 الصواعق المحرقہ :۳۱

بارے میں دریافت نہیں کر لینا چاہئے تھا؟

گواہوں کی گواہی کیوں قبول نہیں ہوئی؟

اگر خلیفہ اول کو نہیں معلوم تھا کہ فدک فاطمہ علیہا السلام کی ملکیت ہے تو گواہوں کی گواہی قبول کیوں نہیں کی؟

ہر چند اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان حالات میں جب کسی مال پر کسی کا پہلے سے تصرف و تسلط ہو تو اس سے شاہد طلب کرنا قاعدۂ عرفی، فقہی اور حقوقی کے خلاف مانا جاتا ہے۔

مگر فرض کرتے ہیں کہ وہ شاہد طلب کرنے کا حق رکھتے ہیں، تو تاریخ گواہ ہے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی مالکیت کے بارے میں گواہی دی ہے۔ تو ان کی گواہی کیوں قبول نہیں کی گئی؟

اہل سنت کی کتابوں میں خلیفۂ اول کے دفاع میں اس طرح آیا ہے:

''لعله كان من اجتهاده عدم قبول الشاهدالواحد،
وان كان يعلم بصدق هذا الشاهد''

"یہ شاید خلیفۂ اول کا اجتہاد تھا کہ صرف ایک گواہ کی گواہی قبول نہیں ہوگی، ولو اس شاہد کی صداقت و سچائی کے بارے میں علم رکھتے تھے" [1]

اگر یہی بات ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے،، خزیمہ ذوالشہادتین، کے واقعہ میں صرف ایک گواہ کی گواہی قبول فرمایا تھا۔ اور یہ شیعہ سنی دونوں کتابوں میں

---

1 شرح المواقف: ۳۵۶/۸

موجود ہے۔[1]

اس کے علاوہ روایت میں نقل ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک واقعہ میں صرف عبد اللہ بن عمر شاہد تھے، ان کی گواہی قبول فرمایا ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں نقل ہوئی ہے۔[2]

ابن اثیر جامع الاصول میں لکھتے ہیں:۔ رسول خدا ﷺ نے صرف ایک شاہد۔ کہ عبد اللہ بن عمر تھے۔ کی گواہی سے قضاوت یعنی حکم فرمایا ہے۔[3]

خلیفۂ اول کی نگاہ میں علی علیہ السلام کیا عبد اللہ بن عمر سے بھی کم درجہ رکھتے تھے؟

قسم دلا کر فیصلہ کرنا

فرض کر لیتے ہیں (تمام واضح دلیلوں کے باوجود) خلیفۂ اول کو حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ملکیت میں شک پیدا ہو سکتا ہے، اور اس بات کو بھی فرض کر لیتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی گواہی میں بھی شک تھا۔

تو انہوں نے صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام سے قسم کا مطالبہ کیوں نہیں کیا، تاکہ ان کی قسم حضرت علی علیہ السلام کی گواہی کے ساتھ شامل ہو کر بات مکمل کر دیتی؟

یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی بلکہ ہم سب جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بارہا

---

1 الکافی: ۷/۴۰۱ باب النوادر، من لایحضرہ الفقیہ: ۳/۱۰۸، المجموع: ۲۰/۲۲۳، المبسوط ۱۶: /۱۱۴

2 صحیح بخاری: ۳/۱۴۳

3 جامع الاصول: ۱۰/۵۵۷

ایک شاہد اور ایک قسم کے ذریعہ قضاوت فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح ابو دائود [1] اور صحیح مسلم [2] میں روایت نقل ہوئی ہے بلکہ ایک شاہد اور ایک قسم کے ذریعہ فیصلہ کرنے کے حکم کو جناب جبرئیل نے حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کیلئے نازل فرمایا ہے، اس قسم کی قضاوت کو کنز العمال کی کتاب الخلافہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

صاحب کتاب المواقف اور اس کے شارح، خلیفۂ اول کے برتاؤ کی توجیہ میں لکھتے ہیں:

''لعلہ لم یر الحکم بشاھدو یمین ''

"شاید خلیفۂ اول ایک شاہد اور قسم کے ذریعہ حکم لگانے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔" [3]

اس کا جواب یہ ہے کہ: اگر یہی بات تھی تو ابو بکر کو قسم کھانا چاہئے تھی، انہوں نے قسم کیوں نہیں کھائی؟ جبکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام مسلسل اپنے دعوائے ملکیت کو پیش کر رہی تھیں۔

یہ سارے مطالب جو اب تک پیش کئے گئے، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کی عصمت و طہارت سے قطع نظر کرتے ہوئے بیان کئے گئے ہیں، یعنی مسئلہ فدک کا صرف فقہی و حقوقی زاویۂ نگاہ سے جائزہ لیا گیا ہے، اور واضح ہو گیا کہ فقہ و حقوق کے سارے معیار جو باب قضاوت میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب کے سب اس پر جاری ہیں، اسی طرح مسلۂ فدک کے بارے میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اور امّ ایمن (کہ جن کے

---

1 صحیح ابی دائود: ۳/۴۱۹

2 صحیح مسلم : ۱۲۸/۵

3 شرح المواقف: ۳۵۶/۸

جنتی ہونے کے بارے میں رسول اللہ نے گواہی دی تھی)[1] نے بھی شہادت پیش کی تھی مگر ان کی گواہیاں بھی قبول نہیں کی گئیں۔

ایک ہی جیسے واقعہ میں الگ الگ حکم

اسی واقعہ کو دوسرے زاویۂ نگاہ سے پیش کر رہا ہوں: اگر بفرض محال، تسلیم کر لیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام اور اہلبیت علیہم السلام معصوم نہیں ہیں، اور فاطمہ زہرا علیہا السلام حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا ٹکڑا نہیں ہیں، اور حیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فدک بھی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے اختیار میں نہیں تھا مگر اس بات میں تو ذرّہ برابر کسی فرد کو شک نہیں ہو سکتا کہ صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم اور بڑے صحابہ میں سے ایک ہیں، بغیر شک و تردید کے شہزادیٔ کونین مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ایک صحابیہ کی حیثیت ضرور رکھتی ہیں!

مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں بالکل اسی جیسے واقعہ میں جو ایک صحابی پیغمبرؐ کے ساتھ رونما ہوا تھا، خلیفۂ اول نے اس صحابی کی بات تسلیم کر لی، اور ان کی تصدیق کرتے ہوئے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا مگر جگر گوشۂ رسولؐ سیدۂ عالم حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے (الہامی و قرآنی) کلام کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی؟!

بخاری و مسلم نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے نقل کیا ہے کہ جب بحرین کا مال خلیفۂ اول کے پاس لایا گیا تو جابر ان کے پاس موجود تھے جابر نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: جب اموال بحرین آئے گا تو اس میں سے تھوڑی مقدار میں تمہیں عطا

---

1 طبقات ابن سعد میں ان کے حالات زندگی میں، والاصابۃ ابن حجر: ۴/ ۴۳۲

کرونگا۔ ابو بکر نے جابر سے کہا: پیغمبر اکرم ﷺ نے جتنی مقدار کا وعدہ کیا تھا آپ جا کر لے لیجئے۔[1]

ہاں، اس وقت حضرت ختمی مرتبت ﷺ باحیات نہیں ہیں، اور جابر کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا: "اگر اموال بحرین آئے گا تو فلاں مقدار میں تمہیں عطا کروں گا" اموال بحرین آچکا ہے، ابو بکر جانشین پیغمبرؐ بن چکے ہیں، اور صرف جابر کا دعویٰ سن کر ان کے کلام کی تصدیق کر دیتے ہیں، ان کے کہنے سے ان کے حق میں فیصلہ سنا دیتے ہیں اور جتنے مال کا دعویٰ کرتے ہیں اتنا انھیں دیدیتے ہیں۔!!!

خلیفۂ اول کے فعل کی حمایت اور تاویل:

بخاری و مسلم دونوں نے اس واقعہ کو کتاب میں درج کیا ہے، اس واقعہ میں ذرا دقت کیجئے اور ملاحظہ کیجئے کہ بخاری و مسلم کی شرح کرنے والے نے خلیفۂ اول کے فعل کی کس طرح تاویل کر رہے ہیں جس میں انھوں نے، شاہد اور قسم کا مطالبہ کئے بغیر ایک صحابیؓ پیغمبرؐ کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا تھا ملاحظہ ہو:

(الف) کرمانی اپنی شرح بخاری (جو بخاری کی مشہور شرحوں میں شمار کی جاتی ہے) لکھتے ہیں:

"واما تصدیق ابی بکر جابرا فی دعواہ فلقولہ □ :من کذب علیّ متعمداًفلیتبوّأ مقعدہ من النارفھووعید، لا یظن بان مثلہ جابر یقدم علیٰ

1 صحیح بخاری: ۳/۵۸، صحیح مسلم: ۷/۷۵

ھذا''

ابو بکر کی جانب سے جابر کے دعوے کی تصدیق کیا جانا اس حدیث کی بنا پر تھا جس میں مرسل اعظم ﷺ نے فرمایا تھا، ، جو میری طرف عمداً جھوٹ کی نسبت دے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا،، اور یہ ایک وعدۂ عذاب ہے۔ اور گمان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جابر جیسے صحابی ایسا کام کر سکتے

(خدائے عادل کی بار گاہ میں فریاد ہے فریاد!! مترجم)

آپ مانتے ہیں کہ جابر جیسے صحابی ایسا کام نہیں کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت دیں، بلکہ آپ کے مطابق وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں........ پھر آخر جگر گوشۂ رسول الثقلین، شہزادئ کونین کے بارے میں صرف ایک صحابیہ ہونے کے اعتبار سے صحیح ایسا عقیدہ کیوں نہیں رکھے؟

(ب): ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''و فی ھذا الحدیث دلیل علی قبول خبر الواحد العدل من الصحابۃ، ولو جرّ ذٰلک نفعاً لنفسہ''

''یہ حدیث اس بات کیلئے دلیل ہے کہ اگر عادل صحابی ہے تو گرچہ خبر واحد کی صورت میں ہو اس کی بات قبول کی جا سکتی ہے، خواہ وہ بات خود اس کے فائدہ اور نفع کیلئے ہی کیوں نہ ہو،[2]

1 الکواکب الدراری فی شرح البخاری: ۱۰/۱۲۵

2 فتح الباری فی شرح البخاری: ۴/۳75

ابن حجر عسقلانی کی یہ توجیہ، جابر کے کلام کو تسلیم کئے جانے کی حمایت پر دلالت کر رہی ہے.........اس لئے کہ خلیفۂ اول نے جابر سے ان کے دعوے کی صداقت کیلئے کوئی گواہ نہیں مانگا تھا.........

مگر افسوس جابر کے ساتھ یہ برتاؤ اور حضرت صدیقۂ طاہرہ، جنھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ میرے پدر بزرگوار نے فدک مجھے حوالہ کر دیا تھا، اور اسے میری ملکیت قرار دیا تھا،، ان کے ساتھ یہ سلوک؟!

(ج): عینی کا عمدۃ القاری میں بیان ہے:۔

انما لم یلتمس شاھداًمنہ(ای من جابر)لا نّہ عدل، بالکتاب والسنہ اما الکتاب فقولہ تعالیٰ (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس و قولہ تعالیٰ ’’ و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا‘‘

چونکہ جابر قرآن و سنت کی روشنی میں عادل ہیں اس لئے خلیفۂ اول نے ان سے کوئی گواہ طلب نہیں کیا۔ قرآن کی دلیل یہ ہے ارشاد ہوتا ہے:

’’وکنتم خیر امۃ اخرجت للناس ‘‘

’’تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے سامنے لایا گیا ہے‘‘ [1]۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

’’و کذلک جعلنا کم امۃ وسطا ‘‘

---

1 سورۂ آل عمران: آیۃ ۱۱۰

"اور ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے" 1۔

لہذا اگر جابر جیسا انسان،، خیر امۃ نہ ہو تو دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ اور سنت کی دلیل وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: جو میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ کی نسبت دیگا اسکا ٹھکانہ جہنم ہو گا،، اس بنا پر گمان نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مسلمان عمداً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت دیگا، اور صحابی یہ کام کریگا بہت دور کی بات ہے۔ 2۔

(تعجب........! افسوس صد افسوس، اور فریاد، !!!)

خلیفۂ اول جابر کے دعوے کی تو تصدیق کرتے ہیں، اور شہزادیٔ کونین حضرت فاطمہ صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام کو ان کے دعوے میں جھٹلا دیتے ہیں؟.........

کیا حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ جابر سے کم درجہ رکھتی ہیں؟

کیا صدیقۂ طاہرہ (جنھیں رسول اللہ نے جنت کی عورتوں کی سردار قرار دیا ہے) "خیر امۃ" کی مصداق نہیں ہیں.........؟

کیا (معاذ اللہ) یہ گمان ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام آنحضرتؐ کی طرف جھوٹ کی نسبت دیں گی......؟ جبکہ صحابی تو دور کی بات حتیٰ آپ کسی مسلمان کے بارے میں بھی گمان نہیں کرتے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت دے سکتا ہے۔

حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کی تمام عظمت و منزلت سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف انھیں ایک صحابیۂ پیغمبرؐ ہی کی بنیاد پر دیکھا جائے تو کیا جناب جابر اور حضرت فاطمہ

1 سورۂ بقرہ: آیۃ ۱۴۳

2 عمدۃ القاری فی شرح البخاری: ۱۲/ ۱۲۱

علیہا السلام دونوں کے دعوے میں کوئی فرق پایا جاتا ہے......؟

آخر کیوں جابر کا دعویٰ تسلیم کر لیا جاتا ہے؟

جابر کے مسئلہ میں خبر واحد کیسے حجت بن جاتی ہے؟ آخر کیوں قاعدۂ "ید" (فقہی قانون تصرف و تسلط) اور متعدد گواہوں کے باوجود حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کا دعویٰ رد کر دیا جاتا ہے...... اور جابر کا دعویٰ بغیر گواہ اور قسم کے بھی قبول کر لیا جاتا ہے؟!

اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ پس پردہ بات کچھ اور ہے جس کی پردہ داری ہو رہی ہے۔

فدک کا مطالبہ بعنوان وراثت

حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنے بیت الشرف میں واپس آجاتی ہیں......... دوسرے دن پھر تشریف لے جاتی ہیں تاکہ فدک اور اپنے پدر بزرگوار کی چھوڑی ہوئی چیزوں کا اپنے پدر بزرگوار کی وراثت کے عنوان سے مطالبہ فرمائیں۔

فدک اس سرزمین کا حصہ تھا جس کو اپنے اختیار میں لینے کیلئے رسول اللہ نے لشکر کشی نہیں کی تھی، اور تمام علمائے اسلام کے اتفاق آراً سے ثابت ہے کہ ایسی زمین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے، دوسرے مسلمانوں کا اس میں کسی بھی طرح کا حصہ نہیں ہوتا ہے............ دوسری طرف یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ہر وہ مال یا حق جو کسی مسلمان کے مرنے کے بعد رہ جاتا ہے وہ اس کے وارثوں کا حق ہوتا ہے (کہ وہی اختیار رکھتے ہیں دوسرا کوئی نہیں)............... (تمام لوگوں کے اتفاق نظر سے) شہزادیٔ عالم حضرت فاطمہ علیہا السلام آنحضرتؐ کی سب سے زیادہ قریبی وارث ہیں اسی لئے جب دربار خلافت میں آپ کے دعوائے ملکیت کو رد کر دیا جاتا ہے تو آپ بعنوان میراث مطالبہ فرماتی ہیں:

اوپر کی سطروں میں جو کچھ بیان ہوا وہ چند مقدمہ تھے جو ترتیب وار اور پے در پے

ذکر کئے گئے۔

ذیل کے واقعہ کو بخاری و مسلم نے عائشہ سے روایت کیا ہے، ہم بخاری کی روایت نقل کرتے ہیں عائشہ کہتی ہیں:

''انّ فاطمہ علیھا السلام بنت النبی أرسلت الی ابی بکر تسألہ میراثھا من رسول اللّٰہ □ مما أفاء اللّٰہ علیہ با لمدینہ و فدک وما بقی عن خمس خیبرفقال ابوبکر:انّ رسول اللّٰہ قال ''لانورّث ما ترکناہ صدقۃ ''انما یأکل آل محمد فی ھٰذاالمال، و انّی واللّٰہ لا أُغیر شیئاً من صدقۃ رسول اللّٰہ عن حالھا التی کان علیہا فی عھد رسول اللّٰہ ولأعلمنّ فیھا بما عمل بہ رسول اللّٰہ.

فأبی ابوبکر أن یدفع الیٰ فاطمۃ منھا شیئاً، فوجدت فاطمۃ علیٰ ابی بکر فھجرتہ، فلم تکلمہ حتّیٰ توفّیت، و عاشت بعد النبی ستۃ اشہر، فلما توفّیت دفنھا زوجھا علي لیلاً ولم یؤذن بھا ابا بکر وصلیٰ علیھا''

''دختر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ علیہا السلام نے ابو بکر کے پاس پیغام بھیجا اور مدینہ میں موجود مال غنیمت، فدک، اور خیبر کا باقی ماندہ خمس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بعنوان میراث رہ گیا تھا اس کا مطالبہ فرمایا۔

ابو بکر نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''ہم میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے'' آل محمد علیہم السلام صرف اسی مال سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے جس مال کو بطور صدقہ چھوڑا ہے اور وہ ان کے زمانہ میں تھا اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں کرونگا اس کے بارے میں وہی طریقہ اختیار کرونگا جو خود رسول اللہ نے اختیار کیا تھا۔ ابو بکر نے اس میں سے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا............. حضرت فاطمہ علیہا السلام ابو بکر پر غضبناک ہو گئیں اور انھیں چھوڑ کر وہاں سے چلی گئیں، اور جب تک زندہ رہیں ابو بکر سے بات نہیں کی، حضرت فاطمہ علیہا السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد چھ مہینہ زندہ رہیں، جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو ان کے شوہر حضرت علی علیہ السلام نے شب کی تاریکی میں ان کی نماز میت پڑھی، انھیں دفن کیا اور ابو بکر کو خبر نہیں دی''[1]۔

حضرت زہرا علیہا السلام کی جانب سے وراثت کے عنوان سے مطالبہ فدک کا ماجرا زمانۂ قدیم سے طول تاریخ میں ان موضوعات کا حصہ رہا ہے جن کی بنیاد اور محور پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس بارے میں شہزادی عالم کا خطبہ ایک زندہ جاوید کے مانند ہے جو کائنات کی پیشانی پر ہمیشہ چمکتا رہے گا۔

---

1 صحیح بخاری: ۵/ ۸۲، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر، صحیح مسلم: ۵/ ۱۵۳، کتاب الجہاد والسیر

کچھ قابل غور باتیں

... آخر کیوں ابو سعید اور ابن عباس کا کلام اور حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی گواہیاں اور دیگر لوگوں کی اس بات میں تصریح کہ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو عطا کر دیا تھا، تسلیم اور قبول نہیں کیا جاتا...... مگر جب تنہا ابو بکر کہتے ہیں: ''انبیاء میراث نہیں چھوڑتے'' تو قبول کر لیا جاتا ہے...؟ ... آخر کس بنیاد پر اتنے بڑے اور عظیم صحابیوں کے کلام پر ایک شخص کے کلام کو ترجیح دیدی جاتی ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کے آراء و نظریات کو ملاحظہ کیجئے تو پتہ چلے گا کہ ان کے نظریات مختلف ہیں، اور ان کے الفاظ و کلمات میں حقیقی طور سے بڑا اضطراب نظر آتا ہے ...... وہ لوگ اس حقیقت کی تاویل و توجیہ میں پریشان ہیں کوئی سبیل نظر نہیں آتی ہے، شاید اس سلسلہ میں جو سب سے اہم چیز کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ وہ لوگ کہتے ہیں: ''صرف ابو بکر اس حدیث کے راوی نہیں ہیں بلکہ یہ تواتر حدیث میں سے ایک ہے اور ابو بکر نے صرف اسے روایت کیا ہے''

چند اہم نکات:

اب ہم اس نظریہ کا چند زاویہ سے تجزیہ و تحلیل کریں گے:

(۱) (خلیفۂ اول کی حدیث میراث کو) آخر کیوں اس وقت تک کسی دوسرے فرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا تھا...؟

(۲) آخر کیوں اس وقت تک اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو نہیں سنا تھا؟ اور حد ہو گئی کہ حتی خود پیغمبر اکرمؐ کے وارثین بھی اس طرح کی کسی حدیث

کے بارے میں کوئی خبر نہیں رکھتے تھے؟ تو پھر کیوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں نے عثمان کو ابو بکر کے پاس بھیج کر اپنے حق کی میراث کا مطالبہ کیا؟ اور کیوں عثمان نے حدیث پیغمبرؐ کو ان کے گوش زد نہیں کیا...؟ آخر کیوں عثمان خلیفۂ اول کے پاس گئے اور رسولؐ کی بیویوں کا مطالبہ ان کے سامنے پیش کیا...؟

... اس کا مطلب ہے کہ عثمان بھی اہلبیت علیہم السلام اور رسالت مآبؐ کی بیویوں کے مانند اس طرح کی حدیث سے بے خبر تھے۔

اس بارے میں فخر الدین رازی نے بڑا ظریف اور لطیف نکتہ اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، کہتے ہیں:

''انّ المحتاج الیٰ معرفۃ ھٰذہ ا لمسألۃ ما کان الا فاطمہ و علی و العباس، و ھوء لآء کانوا مِن أکابر الزہّاد والعلماء و اھل الدین، واما ابوبکر، فانہ ماکان محتاجاً الٰی معرفۃ ھٰذہ المسئلہ لانہ ماکان ممن یخطر ببالہ انہ یورّث من الرسول، فکیف یلیق بالرسول أن یبلّغ ھٰذہ المسئلۃ الیٰ من لا حاجۃ لہ الیہا، ولا یبلّغھا الیٰ من لہ الیٰ معرفتھا أشد الحاجۃ؟''

''میراث پیغمبرؐ سے واقفیت کی ضرورت سوائے حضرت علی علیہ السلام،

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور عباس[1] کے کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتی ہے، اور یہ حضرات خود عظیم اور بزرگ علماء اہل دین، اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زہد رکھنے والے شمار ہوتے تھے... ؛لیکن ابو بکر کو اس مسئلہ میراث سے واقفیت کی کوئی ضرورت نہیں تھی (اس لئے کہ اس مسئلہ سے انکادور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا) اور ان کے وہم وخیال میں بھی نہ آیا ہو گا کہ وہ سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میراث پاسکتے ہیں، تو پھر کون صاحب عقل پیغمبرؐ کی طرف یہ نسبت دے سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اس مسئلہ سے اس شخص کو آگاہ کریں جس کو ضرورت نہیں اور اسے نہ بتائیں جسے اس کی ضرورت ہے؟"[2]

(۳) اگر تمام باتوں سے صرف نظر کر لیں تبھی تواتر حدیث کا دعویٰ سوائے جھوٹ اور فریب کے اور کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ اہلسنت کے علماء نے خود صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابو بکر ہی فقط اس حدیث کے ناقل ہیں اور اسی وجہ سے خبر واحد کی اہمیت کی بحث میں، خبر واحد کی مثال اور نمونہ کے طور سے اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔[3] اس کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ابو بکر اس حدیث

---

1 واضح ہو کہ فقہ جعفری کی بنیاد پر چچا طبقہ اول میں شمار نہیں ہوتے ہیں اولاد کی موجودگی میں اپنے بھائی کے بیٹے سے میراث نہیں ملتی۔ (فخر الدین رازی نے اپنے مسلک کے اعتبار سے جناب عباس کا نام ذکر کیا ہے)

2 التفسیر الکبیر: ۹/ ۲۱۰

3 اگر شک ہو تو ماخذ و اسناد ملاحظہ کریں: ابن حاجب نے المختصر فی علم الاصول ۲ / ۵۹، فخر رازی

کے تنہا ناقل ہیں۔ [1] اور متکلمین اقرار کرتے ہیں کہ اس حدیث کے نقل کرنے میں خلیفۂ اول تنہا اور اکیلے ہیں۔ [2]

(۴) بغیر کسی تردید کے یہ بات پیش کر رہا ہوں کہ ابو بکر بھی اس حدیث کے راویوں میں سے نہیں ہیں حتی خبر واحد یعنی تنہا ناقل کی شکل میں بھی نہیں ہیں، یہ حدیث جعلی اور موضوعی (گڑھی گئی) ہے جسے بعض لوگوں نے ابو بکر کیطرف سے دفاع کرنے کیلئے گڑھا ہے، اس لئے کہ ابو بکر کے پاس اس واقعہ میں کوئی جواب تھا ہی نہیں جسے پیش کرتے، انھوں نے اس حدیث سے استدلال بھی نہیں کیا تھا۔

اس مطلب کو حافظ عبد الرحمن بن یوسف ابن خراش نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں:

یہ حدیث باطل ہے جسے مالک بن اوس بن حدثان نے جعل کیا ہے اور وہی اس داستان کا راوی ہے... ابن عدی حافظ ابن خراش کے [3] حالات زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

نے المحصول فی علم الاصول میں ۲/ ۸۵، غزالی نے المستصفیٰ فی علم الاصول میں ۲/ ۱۲۱، آمدی نے الاحکام فی اصول الاحکام ۲/ ۷۵، و ۳۴۸/ میں، بخاری نے کشف الاسرار فی شرح اصول البزودی اور دیگر علمائے اہلسنت نے اصول فقہ کی کتابوں میں اسی مطلب کو لکھا ہے

1. بطور نمونہ دیکھئے کنز العمال: ۱۲/ ۶۰۵ح ۱۴۰۷۱
2. دیکھئے: شرح المواقف: ۸/ ۳۵۵ و شرح المقاصد: ۲۷۸/۵
3. متوفی ۲۸۳ھ ق ابن خراش نے شیخین کے عیوب و نقائص میں دو جلدیں کتابیں لکھی تھی، اور انھیں دو جلدوں کی بنا پر ان کے شیعہ ہونے کی نسبت دی گئی ہے جبکہ اہلسنت کی تمام کتابیں علم حدیث و رجال میں ابن خراش کے آراء و نظریات سے بھری پڑی ہیں: ذرا ملاحظہ کیجئے ذہبی نے کس طرح ان کی مذمت کی ہے: "خدا کی قسم! یہ شیخ جس کے پیر پھسل گئے، یہ وہی

''سمعت عبد ان یقول : قلت لابن خراش : حدیث ماترکناہ صدقۃ؟ قال : باطل، أتهم مالک بن اوس بالکذب''

میں نے عبدان کو کہتے سنا کہ: میں نے ابن خراش سے دریافت کیا کہ آپ حدیث ماترکناہ صدقہ(جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو جواب دیا: یہ حدیث بالکل باطل ہے اسے مالک بن اوس نے گڑھا ہے اور وہ جھوٹا ہے۔ [1]

... دیکھئے اور غور سے ملاحظہ کیجئے ایک جعلی اور گڑھی ہوئی حدیث کے ذریعہ... جس کو ایک عظیم الشان حافظ نے باطل قرار دیا ہے... کس طرح قرآن کریم کے محکمات سے دست بردار ہو رہے ہیں؟

جو کچھ اب تک بیان کیا گیا اس کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ غصب فدک کا واقعہ اور صدیقہ طاہرہ علیہاالسلام اور اہلبیت علیہم السلام کی تکذیب اور انھیں جھٹلایا جانا، ان واقعات کا ایک حصہ تھا جن کے بارے میں حضرت ختمی مرتبتؐ نے خبر دے دی تھی

ہے جس کی ساری محنت و کوشش تباہ ہوگئی، اس لئے کہ وہ اپنے زمانے کے حافظ تھے، تحصیل علوم میں دور دراز کا سفر طے کیا، حیرت انگیز طور سے علوم و معارف پر تسلط تھا۔ مگر اس کے باوجود اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاسکا۔

(گویا انسان اسی وقت اپنے علم و دانش سے بہرہ مند ہوتا ہے جب صرف خلفاء کے حق میں بات کرتا ہے)

1 الکامل فی الضعفاء: ۵/۵۱۸

...... یہ وہ روداد ہے جسے واقعاً جب ایک آزاد اور غیر جانبدار انسان دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے یا بیان کرتا ہے تو دل خون خون ہو جاتا ہے اور بس۔

اب کچھ ان واقعات کو پیش کروں گا جن کا تجزیہ و تحلیل کیا ہے تا کہ اپنی اور قارئین کی فکر و نظر اور بصیرت میں کچھ اضافہ کر سکوں۔

چھٹی فصل

بیت عصمت میں آگ

جناب فاطمہ زہرا علیہاالسلام کے گھر کا جلایا جانا

گذشتہ صفحات میں یہ بات پیش کی جاچکی ہے کہ اس امت نے واقعات و حادثات اور ان کے جزئیات نیز تفصیلات کو بیان کرنے اور کتابوں میں درج کرنے کو عرصۂ دراز تک ممنوع قرار دے رکھا تھا، تو اس صورت حال میں آپ یہ کیسے توقع کرتے ہیں کہ بخاری آپ کے لئے نقل کریں گے کہ فلاں فلاں اور فلاں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کے گھر کو آگ لگائی ہے ؟

یا کون اہلسنت کی کتابوں میں اس طرح کے جملوں کو مشاہدہ کرنے کی امید رکھ سکتا ہے!؟

آپ نے ملاحظہ کیا اور غور کیا کہ بخاری، مسلم اور دوسروں نے ان حدیثوں میں جو ان حساس مسائل کے مقابلہ میں دسویں حصہ کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی تھیں، کس طرح بے خوف و خطر تحریف کر دیا، تو حساس واقعات و حادثات سے متعلق روایتیں تو بہت دور کی بات ہے ؟!

حضرت صدیقۂ طاہرہ علیہاالسلام کے گھر کا جلایا جانا ہماری کتابوں اور حدیثوں کے قطعی اور مسلم حقائق میں سے ایک حقیقت ہے جس پر سارے علماء، ہمارے تمام مصنفین و مؤلفین اتفاق نظر رکھتے ہیں ...... اور اگر کوئی اس کا انکار کرے، یا اس میں شک کرے یا دوسروں کو شک و شبہہ میں ڈالے (کوئی بھی ہو) وہ علمائے شیعہ، بلکہ تشیع سے خارج ہے۔

اہلسنت کی کتابوں میں یہ حقیقت مختلف شکلوں میں نقل ہوئی ہے، اس کتاب میں

اپنے موضوع سے متعلق واقعات، احادیث اور روایات کچھ اس طرح تدوین وترتیب دی گئی ہیں کہ قارئین اور حق کے متلاشی کے لئے کوئی نکتہ پوشیدہ اور مبہم یا مشتبہ نہ رہ جائے۔ نیز بحث و گفتگو کے مطالب ایک دوسرے سے خلط ملط نہ ہونے پائیں تاکہ دقت سے ملاحظہ کیا جاسکے کہ اس روداد اور اس سے متعلق واقعات وحادثات کے نقل میں کیا کیا چیزیں تھیں جنھیں کتابوں میں جگہ نہیں دی گئی...... اور جن باتوں کو، خواہ کسی بھی مقدار میں ہو نقل کیا ہے، ان میں کیسی کیسی سازشیں اور مکاریاں کارفرماں ہیں کہ اللہ کی پناہ!؟ اور جن باتوں کو نقل نہیں کیا ہے، یا ان کے نقل سے روک دیا گیا تھا، یا جان بوجھ کر انھیں ترک کر دیا گیا ہے، وہ خود مستقل اور جداگانہ ایک موضوع بحث ہے، اس سلسلہ میں جو مطالب نقل ہوئے ہیں چند عنوان کے تحت پیش کر رہا ہوں۔

(۱) گھر جلادینے کی دھمکی:

بعض روایتوں میں نقل ہے: عمر بن خطاب نے گھر جلا دینے کی دھمکی دی تھی ...... تو سب سے پہلے دھمکی کے عنوان کے تحت ابن ابی شیبہ کی کتاب ''المصنَّف'' سے مطالب پیش کروں گا واضح رہے کہ ابن ابی شیبہ بخاری کے اساتذہ اور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں جن کی ۲۳۵ سنہ ھ ق میں وفات ہوئی ہے۔

ابن ابی شیبہ اس ماجرا کو اپنی سند کے ساتھ زید بن اسلم سے اور زید اپنے والد اسلم سے نقل کرتے ہیں: اسلم (جو عمر کا غلام تھا) کہتا ہے:

''حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ، کان علی والزبیر یدخلان علیٰ فاطمۃ بنت رسول اللہ، فیشاورونها و یرتجعون فی امرهم.

فلما بلغ ذلک عمر بن خطاب، خرج حتّیٰ دخل

علیٰ فاطمۃ فقال: یا بنت رسول اللہ! واللہ! ما أحد أحب الینا من ابیک، وما من احد أحب الینا بعد ابیک منک، وأیم اللہ ما ذاک بما نعی ان اجتمع ھؤلاء النفر عند ک أن أمر تھم أن یحرّق علیھم البیت‘‘

’’جب رسول اللہؐ کے بعد ابو بکر کی بیعت ہو گئی، علیؑ، زبیر، خانۂ سیدہ علیہاالسلامؑ میں آتے تھے اور ان سے ان لوگوں کے امر میں مشورہ کرتے تھے، جب یہ خبر عمر تک پہنچی تو حضرت فاطمہ علیہاالسلامؑ کے پاس آئے اور کہا: اے دختر پیغمبرؐ! خدا کی قسم! میرے نزدیک تمہارے پدر بزرگوار سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے اور آپ کے والد گرامی کے بعد میرے نزدیک تم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے، خدا کی قسم! (اس کے باوجود) اگر یہ لوگ تمہارے پاس جمع ہوں گے تو ہمارے لئے کوئی شئ مانع نہیں ہو گی کہ حکم دوں گھر میں آگ لگادیں‘‘۔[1]

اور یہی بات دوسری سند کے ذریعہ تاریخ طبری میں بھی نقل ہوئی ہے:

’’اتیٰ عمر ابن خطاب منزل علیؑ و فیہ طلحہ و زبیر و رجال من المھاجرین فقال: واللہ ! لأحرقنّ علیکم اولتخرجنّ الی البیعۃ.

فخرج علیہ الزبیر مصلتاً سیفہ، فعثر فسقط السیف

1 المصنّف: ۷/ ۴۳۲

من یدہ، فوثبوا علیہ فأخذوہ‘‘

”عمر حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں آئے، اسوقت طلحہ زبیر[1] اور مہاجرین کے کچھ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس جمع تھے عمر نے کہا: خدا کی قسم! تم لوگ بیعت کے لئے باہر آؤ ورنہ گھر کو تم لوگوں کے ساتھ آگ لگادوں گا اس وقت زبیر تلوار کھینچے ہوئے باہر آئے پیر پھسلا اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی لوگ زبیر پر ٹوٹ پڑے اور انھیں گرفتار کر لیا“[2]

اس بحث میں ہم انھیں دو منابع و مصادر پر اکتفاء کرتے ہیں ، البتہ اہلسنت کے دوسرے بڑے حافظ اور محدثین نے اتنا بھی نقل نہیں کیا ہے، بلکہ حقائق کی کاٹ چھانٹ اور انھیں تحریف کرنے کی طرف زیادہ توجہ کی ہے۔

”ابن عبد البر نے کتاب ”الاستیعاب“ میں اس روایت کو ابو بکر بزّار کے طریقہ سے ابن ابی شیبہ ہی کی سند کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے:

’’ان العمر قال لها: ما احداحب الينا بعده منک، ثم قال : ولقد بلغنی.انّ هؤلاء النفر يدخلون عليک ولأن يبلغنی لأفعلنّ لافعلنّ‘‘

”حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے عمر نے کہا: آپ کے پدر بزرگوار کے بعد میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے......اس کے بعد کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، اگر باہر نہیں آئیں

1 اس اہم اور حساس نکتہ پر دقت کریں کہ ان لوگوں میں طلحہ بھی موجود تھے اس وقت زبیر اہلبیت علیہم السلام کے قریبی لوگوں میں شمار ہوتے تھے، لیکن طلحہ ابو بکر ہی کے قبیلۂ تیم سے تھے۔

2 تاریخ طبری : ۳/۲۰۲

گے تو میں ضرور ایسا ویسا کروں گا۔[1]

غور فرمائیں... روایت وہی... سند وہی... راوی بھی وہی مگر کس قدر تحریف!!!

جو لوگ اس حد تک روایتوں کی تحریف کرتے ہیں آپ ان لوگوں سے کیسے توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے لئے نقل کریں گے کہ ''انھوں نے گھر میں آگ لگا دی''؟!

دنیا کا کون عقلمند انسان ان لوگوں سے ایسی توقع کر سکتا ہے؟ اور اگر ہے تو یا تو وہ نادان ہے یا نادان بنا ہوا ہے اور مذاق کر رہا ہے۔

۲۔ آتش گیر مادہ اور سلگتی ہوئی رسی کا لایا جانا

اس روداد کے سلسلہ میں بعض روایتوں میں ''آتش گیر مادہ'' یا ''سلگتی ہوئی رسی'' کا عنوان پایا جاتا ہے جس کے بعض اسناد کی طرف اشارہ کرتا ہوں:... الانساب الاشراف میں بلاذری متوفی ۲۲۴ھ ق نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح روایت کیا ہے:

''ان ابا بکر ارسل الیٰ علی یرید البیعۃ، فلم یبایع، فجاء عمر و معہ فتیلہ.

فتلقتہ فاطمۃ علیٰ الباب، فقالت فاطمۃ: یابن الخطّاب! اتراک محرّقاً علیّ بابی؟!

قال نعم : وذٰلک اقویٰ فیما جاء بہ ابوک''

(ابو بکر نے حضرت علی علیہ السلام سے کہلا بھیجا کہ وہ بیعت کریں، انھوں نے بیعت نہیں کی تو عمر بتی (سلگتی ہوئی رسی) لے کر آ گئے پشت دروازہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کھڑی تھیں فرمایا: اے فرزند خطاب! کیا تم میرا

---

1 الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۳/۹۷۵

گھر جلتا ہوا دیکھو گے؟

عمر نے کہا: ہاں، اور یہ ان چیزوں سے زیادہ بہتر اور قوی ہے جن چیزوں کو لے کر تمہارے پدر بزرگوار آئے ہیں۔[1]

ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ ق اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''و اما علی و العباس و الزبیر، فقعدوا فی بیت فاطمہ حتّیٰ بعث الیھم ابو بکر لیخرجوا من بیت فاطمۃ و قال لہ:انْ ابوا فقاتلھم.

فأقبل بقبس من نار علیٰ أن یضرم علیھم الدار، فلقیتہ فاطمۃ فقالت: یابن الخطاب، اجئت لتحرق دارنا؟

قال: نعم، أو تدخلوا ما دخلت فیہ الامّۃ''

''حضرت علی علیہ السلام، عباس اور زبیر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر میں بیٹھے تھے، تو ابو بکر نے ان کے پاس ایک شخص[2] **کو بھیجا اور بیعت کر نے کے لئے باہر نکلنے کو ان سے کہا، اور کہا:**

اگر قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرنا، پھر عمر بھڑکتا ہوا شعلہ لے کر آئے تاکہ گھر کو گھر والوں سمیت جلادیں، جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام نے عمر کو دیکھا اور فرمایا: اے پسر خطاب! تم میرا گھر جلانے آئے ہو؟

1 انساب الاشراف: ۱/۵۸۶

2 جو سب سے پہلے گیا وہ عمر کے بجائے کوئی دوسرا شخص تھا، ابو بکر نے اس کے بعد عمر کو بھیجا

عمر نے کہا: ہاں! یا امت نے جس چیز کو قبول کرلیا ہے تم لوگ بھی قبول کرلو" 1

اس مقام پر نقل کی گئی عبارتوں کو ایک دوسرے سے ملا کر دیکھئے اور غور کیجئے تاکہ ان میں فرق اور تحریف اور کاٹ چھانٹ کا میزان مشخص ہو جائے، سنی تاریخ نگار ابو لفداء متوفی ۷۳۲ھ ق نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کو نقل کیا ہے جس کے آخر میں یوں لکھتے ہیں:

"و ان ابو ا فقاتلهم، ثم قال : فاقبل عمر بشئی من نار علیٰ ان يضرم الدار "

(اگر قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرو، تو عمر کچھ آگ لے کر آئے تاکہ گھر کو آگ لگا دیں) 2

۳۔ گھر جلانے کے لئے لکڑیوں کا جمع کرنا

مسعودی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

عروہ بن زبیر اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کے اس عمل کی توجیہ و تاویل میں (کہ جس نے بنی ہاشم کو شعب ابو طالب میں محصور کیا تھا اور لکڑیاں جمع کی تھیں تاکہ اگر وہ لوگ بیعت نہ کریں تو انھیں جلا ڈالے) کہتے ہیں: عمر نے بھی ان لوگوں سمیت گھر جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کی تھی جنھوں نے ابو بکر کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ 3

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: "لکڑیاں لائی گئیں"

---

1 العقد الفرید: ۱۳/۵

2 المختصر فی اخبار البشر: ۱۵۶/۱

3 مروج الذہب: ۸۶/۳، مسعودی کے حوالے سے ابن ابی الحدید نے بھی اسے شرح نہج البلاغہ (۱۴۷/۲) میں نقل کیا ہے۔

دوسرا کہتا ہے: "تھوڑی آگ لائی گئی"

ہاں... لکڑیاں موجود تھیں...... آگ بھی لائی گئی۔

تو کیا اب آپ چاہتے ہیں کہ اس بات کی بھی تصریح کردیں کہ "لکڑیوں میں آگ لگادی گئی"؟

یعنی اگر تصریح و وضاحت نہ کریں... اور ہرگز وضاحت نہ کریں گے... تو اس (گھر کو آگ لگانے والی) روایت میں ہم شک پیدا کریں؟

یہ ایسی حقیقت اور مسلم خبر ہے جس کے بارے میں ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام یقین اور قطع رکھتے ہیں نیز مذہب تشیع اور علمائے شیعہ اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں؟!

۴۔ گھر جلانے کے لئے آنا

کتابوں میں جو عبارت واضح طور سے دیکھنے کو ملتی ہے وہ یہ کہ "عمر حضرت علی علیہ السلام کے گھر کو آگ لگانے کے آتے ہیں"

یہ عبارت بعض کتابوں میں جیسے " روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر[1] میں موجود ہے جسے ابن شحنہ متوفی ۸۸۲ھ ق نے تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"انّ عمر جاء الی بیت علی لیحرّقہ علی من فیہ، فلقیتہ فاطمۃ فقال: ادخلوا فیما دخلت فیہ الأمّۃ"

(عمر حضرت علی علیہ السلام کے گھر آئے تا کہ گھر میں اس کے اہل سمیت آگ لگادیں... فاطمہ زہرا علیہا السلام نے عمر کو دیکھا تو عمر بولے: تم لوگ بھی

1 یہ کتاب "الکامل ابن اثیر" ۱۶۴ کی بعض طبع کی حاشیہ میں نشر کی گئی ہے۔ الکامل معتبر تاریخ میں شمار ہوتی ہے

اسے تسلیم کرلو جسے امت نے قبول کرلیا ہے۔

صاحب کتاب ''الغارات'' کے مصنف ابراہیم بن محمد ثقفی نے داستان سقیفہ کے بارے میں احمد بن عمرو بجلی سے، انھوں نے احمد بن حبیب عامری اور حمران بن اعین سے، اور انھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کیا ہے حضرت نے فرمایا:

''واللّٰہ ما بایع علی حتیٰ رأی الدخان قد دخل بیتہ''

'' خدا کی قسم! حضرت علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی یہاں تک کہ آپ نے دیکھا گھر میں دھواں پھیل گیا ہے''

واضح رہے کہ اس عظیم محدث کی جس کتاب میں یہ روایت موجود تھی وہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی (ناپید ہوگئی) ہے ان عبارتوں کو سید مرتضیٰ قدس سرہ نے اپنی کتاب ''الشافی فی الامامۃ'' میں ان سے نقل کیا ہے۔[1]

عظیم محدث ابراہیم بن محمد ثقفی متوفی ۲۸۰؁ھ یا ۲۸۳؁ھ کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تالیفات میں دو کتابیں ''السقیفہ ''اور ''المثالب'' کے نام سے پائی جاتی ہیں، لیکن یہ دونوں کتابیں زمانہ کے نشیب و فراز میں گم ہوگئیں اور ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔

اور علمائے اہلسنت نے بھی اس عظیم محدث کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے مگر کسی طرح کی جرح یا اعتراض آمیز بات پیش نہیں کی ہے بس ان کے بارے میں اتنا ہی کہا کہ وہ ''رافضی'' تھے

ہاں ......یقیناً وہ رافضی تھے اور السقیفہ اور المثالب جیسی کتابوں میں اس قسم کی

---

1 الشافی فی الامامہ:۳/۲۴۱

روایتوں کو بڑے مستند کے ساتھ امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا تھا۔

اس عظیم محدث کی روایت کے صحیح اور مستند ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

''لما صنّف کتا ب المناقب و المثالب اشار علیہ اہل الکوفۃ ان یخفیہ و لا یظھرہ ، فقال : ای البلاد ابعد عن التشیّع، فقالوا لہ : اصفھان، فحلف أن یخفیہ ولا یحدث بہ الا فی اصفہان ثقۃً منہ بصحۃ ما أخرجہ فیہ، فتحوّل الیٰ اصفہان و حدّث بہ فیھا

" جب ثقفی نے کتاب المناقب والمثالب تصنیف کی تو اہل کوفہ نے ان سے کہا: اسے چھپا دیجئے اور آشکار نہ کیجئے گا، انھوں نے کہا: کون شہر عقیدۂ تشیع سے سب سے زیادہ دور ہے؟ لوگوں نے کہا اصفہان [1]، انہوں نے قسم کھائی کہ کسی کے سامنے اسے آشکار نہیں کریں گے اور اس میں سے کوئی حدیث نہیں بیان کریں گے سوائے اصفہان کے اور اس کتاب میں جو کچھ روایت کیا ہے وہ معتبر اور ثقہ راوی سے ہے اور ان کی تمام روایتیں صحیح ہیں، تو وہ اصفہان چلے گئے اور وہاں ساری روایتوں کو بیان کیا، ابو نعیم اصفہانی نے بھی اس واقعہ کو "اخبار اصفہان" میں نقل کیا ہے" [2]

1 اس زمانہ کا اصفہان

2 لسان المیزان :۱/ ۱۰۲

آپ نے ملاحظہ کیا کہ آخر میں نقل ہونے والی روایت میں کلمہ ''دھواں'' کا ذکر آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

''واللہ مابایع علی حتیٰ رأی الدخان قد دخل بیتہ''

''کہ خدا کی قسم! علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی یہاں تک کہ دیکھا گھر میں دھواں پھیل گیا ہے''

ہر چند علماء و محدثین نے گزشتہ روایتوں میں اس حد تک ماجراء کی صراحت و وضاحت پیش کرنے سے پرہیز کیا ہے، لیکن لکڑیوں، شعلوں، آگ، اور سلگتی رسیوں کی وضاحت ضرور کی ہے، صرف یہ نہیں لکھا کہ ''لکڑیوں میں آگ لگادی''

کیا آپ چاہتے ہیں اس بات کی بھی تصریح کر دیں؟

کیا ان روایتوں کے راوی عاقل نہیں تھے؟

کیا وہ لوگ زندہ رہنا پسند نہیں کرتے تھے؟

ہم جانتے ہیں اور اچھی طرح واقف ہیں کہ اس سے زیادہ وضاحت کرنے کیلئے حالات زمانہ انھیں اجازت نہیں دے رہے تھے...... دوسری طرف وہ لوگ اس بات سے بھی واقف تھے کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے لوگ یا وہ افراد جن کے پاس یہ روایتیں پہنچیں گی، سب عاقل ہوں گے، صاحب فہم وادراک ہوں گے جو کچھ ان کے لئے بیان کیا گیا ہے انھیں مطالب کے سیاق وسباق سے وہ دیگر حقائق کو بھی اپنی دانائی اور تیز فہمی کی بنا پر درک کرلیں گے۔

لہٰذا اس واقعہ کی تمام چھوٹی بڑی باتیں علماء بطور وضاحت پیش کریں، اس بات کی امید رکھنا، نادانی، تجاہل عارفانہ اور بے جا ہے، اور کیا یہ بات درست ہے کہ اگر تصریح یا

وضاحت نہ کریں یا کسی بات پر ان کی طرف سے کامل نص نہ ملے تو ہم شک پیدا کریں اور دوسروں کے دلوں میں بھی شک ڈالیں ؟ خدا کی قسم ! یہ انداز اور یہ سلوک...نہایت ہی تعجب خیز ہے۔

ساتویں فصل

حضرت محسن علیہ السلام کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام کی اولاد

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے شکم مبارک سے بچہ کے ساقط ہونے کے بارے میں علمائے اہلسنت کی روایتیں بہت زیادہ آشفتہ اور مختلف ہیں اور اس بات کو ان کی روایات اور اس سلسلہ میں ان کے آراء و نظریات کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہر انسان محسوس کرے گا۔

یہ تمام روایتیں بتاتی ہیں حضرت علی علیہ السلام کی تین اولاد تھیں، حسنؑ، حسینؑ، محسنؑ یا محسِّن یا مُحسَّن حضرت ختمی مرتبت نے ان اسماء کو جناب ہارون علیہ السلام کے فرزندوں (شبر شبیر مبشر) کے اسماء سے تشبیہ دیتے ہوئے انتخاب فرمایا تھا۔

یہ بات مسند احمد بن حنبل [1] مستدرک حاکم [2] اور اہل سنت کی معتبر کتابوں میں موجود ہے حاکم نیشاپوری نے روایت کو صحیح مانا ہے اور ذھبی [3] نے بھی اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے...... اب سوال یہ پیش آتا ہے کیا حضرت علی علیہ السلام کے فرزندوں میں اس نام کا کوئی فرزند تھا یا نہیں...؟

---

1 مسند احمد: ۱/۱۱۸

2 المستدرک: ۳/۱۶۵

3 تلخیص المستدرک: ۳/۱۶۵

کہتے ہیں... :ہاں، محسن نام کا ایک بیٹا تھا،

تو سوال......انھوں نے کیسے زندگی بسر کی؟ انکا سر انجام کیا ہوا؟

یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے اس بیٹے کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں... مگر اس بحث میں آگے بڑھنے میں اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں... کیا آپ اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ وہ لوگ بغیر ابہام اور پردہ پوشی کے واضح و آشکار اور کامل طور سے وضاحت و صراحت کے ساتھ پیش کر دیں...؟!

ملاحظہ کیا اور آئندہ بحثوں میں بھی ملاحظہ کریں گے کہ ان لوگوں نے تمام حقائق سے پردہ نہیں اٹھایا ہے جس کے نتیجہ میں روایتوں، حدیثوں اور تاریخی واقعات کو اپنی جاگیر بناڈالا...... تو ان لوگوں سے اس بات کی کیسے امید کی جاسکتی ہے وہ پوری پوری وضاحت سے کام لیں گے؟!

مگر انھیں لوگوں میں سے کچھ ایسے حقیقت پسند اور نڈر افراد بھی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے حقیقت سے پردہ تو اٹھادیا مگر انھیں اس کے عوض مشکلات و پریشانیوں کا سامنا کرتے ہوئے بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے، ان میں سے ایک ابن ابی دارم متوفی ۳۵۲ھ ق ہیں...... ذہبی ان کے حالات زندگی کے بارے میں کھتے ہیں:

''الامام الحافظ الفاضل ابوبکر احمد السری بن یحییٰ بن السری بن ابی دارم التمیمی الکوفی الشیعی [أصبح شیعیاً] محدِّث الکوفۃ، حدث عنہ الحاکم، و ابو بکر بن مردویہ، و یحیی بن ابراہیم المزکّی، و ابوالحسن بن الحیمامی، و القاضی ابو

بکر الجیلی، و آخرون۔ کان موصوفاً بالحفظ و المعرفۃ، الا أنّہ یترفّض [لما ذا یترفض؟!] قد ألّف فی الحطّ علیٰ بعض الصحابۃ

" امام، حافظ، فاضل، ابو بکر احمد بن محمد السری بن یحییٰ بن السری بن ابو دارم تمیمی کوفی، شیعی (شیعہ ہو گئے تھے) کوفہ کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور حاکم ابو بکر بن مردویہ یحییٰ بن ابراہیم مذکی، ابو الحسن حمامی، قاضی ابو بکر جیلی اور دوسروں نے ان سے حدیث نقل کی ہے وہ حفظ، معرفت اور شناخت کی منزل پر فائز تھے (ان کی وثاقت میں کوئی شک نہیں ہے) مگر ان کے اندر رافضیوں کی عادت پائی جاتی تھی [ایسا کیوں کرتے تھے] انھوں نے بعض صحابہ کے عیوب کے بارے میں کتاب لکھی ہے۔ "[1]

ذہبی نے اپنی اس کتاب میں ان کے بارے میں صرف رافضی گری اور صحابہ کے عیوب کے بارے میں کتاب لکھنے کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کیا ہے مگر جب ان کی دوسری کتاب میزان الاعتدال۔ پر نظر پڑتی ہے تو پتہ چلتاہے کہ وہاں بھی انکاذکر کیاہے مگر حافظ محمد بن احمد کوفی اور ابو بشر دولابی[2] سے اس طرح نقل کیاہے کہتے ہیں:

کان مستقیم الامر عامۃ دحرۃ، ثم فی آخر ایامہ کان اکثر مایقرئ علیہ المثالب، حضرتہ و رجل

1 سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۵۷۶

2 سیر اعلام النبلاء : ۳۰۹/۱۴

يقرأ عليه : ان عمر رفس فاطمہ حتىٰ استقطت محسن.

”وہ پوری عمر راہ راست پر گامزن تھے مگر عمر کے آخری دنوں میں ان کے سامنے جو روایتیں پڑھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر صحابہ کے عیوب و نقائص سے متعلق ہوتی تھیں میں ایک دن ان کے پاس گیا تو کیا دیکھا کہ ایک شخص ان کے سامنے پڑھ رہا تھا عمر نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو [1] ایسی تکلیف دی جس کی وجہ سے محسن سقط ہو گئے“ [2]

خوب ملاحظہ کیجئے! یہ راوی اپنی طول زندگی میں راہ راست اور عقیدۂ مستقیم پر قائم رہا ... مگر جب آخری عمر میں ان روایتوں کو نقل کرتا ہے جن سے صحابہ کا اصل کردار سامنے آتا ہے اور عیوب و نقائص آشکار ہوتے ہیں تو عقیدۂ مستقیم سے کس طرح خارج ہو جاتا ہے!!

یہ بات بھی بڑی حکمت آمیز ہے اگر اس وقت یہ راوی نہ آگیا ہوتا اور اس نے ان کے سامنے روایت نہ پڑھی ہوتی ... تو شاید مذکورہ روایت کا نام و نشان بھی نہ ہوتا اور کسی کی دسترس میں وہ روایت نہ ہوتی۔

عمران بن حصین بھی عظیم اور بڑے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں لوگوں نے انھیں نیک اور اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے ان کی حالات زندگی میں لکھا ہے: ان کی عظمت و جلالت اور منزلت کی بنا پر فرشتے ان سے کلام کرتے تھے۔ [3]

---

1 روایت میں لفظ ”رَفَس“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بیان کرنے کی ہمت نہیں ہوتی (مترجم)

2 میزان الاعتدال: ۱/۱۳۹

3 دیکھئے الاصابۃ فی تمیز الصحابہ :۳/۲۶

جب انھوں نے اپنا آخری وقت محسوس کیا تو ان کے قریبی ساتھیوں میں سے کسی نے ان کے سامنے متعہ حج (جسے عمر بن خطاب نے حرام قرار دیا تھا اور وہ اس حرمت سے سخت نالاں تھے) کے بارے میں ایک حدیث نقل کی، لیکن انھوں نے اس کے سامنے یہ شرط رکھی کہ جب تک زندہ ہوں اسے میرے قول سے نقل نہ کرنا ہاں میرے بعد اسے نقل کرنا۔ [1]

حضرت محسن علیہ السلام کا سقط ہونا

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پر ڈھائے جانے والے مظالم اور بربریت کی جن لوگوں نے صراحت و وضاحت کی ہے ان میں سے ایک نظّام معتزلی متوفی ۲۳۱ھ ق ہیں...... نظام معتزلہ کے ارکان اور ان کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں وہ بڑے بے باک اور نڈر لوگوں میں جانے جاتے ہیں ان کا شمار عظیم الشان علماء میں ہوتا ہے، علم کلام میں ان کے خاص نظریات ہیں جن میں کچھ مشہور کے خلاف بھی ہیں ان کے نظریات اکثر و بیشتر کتابوں میں بحث و گفتگو کے ضمن پیش کئے جاتے رہتے ہیں وہ کہتے ہیں:

''ان عمر ضرب بطن فاطمۃ یوم البیعۃ حتیٰ القت

---

1 روایت کا متن یوں ہے: مطرف کہتے ہیں: عمران بستر بیماری پر تھے (جس میں وہ دنیا سے رخصت ہوگئے) میرے پاس ایک پیغام بھیجا کہ: میں تمہارے لئے کچھ حدیثوں کو نقل کرنا چاہتا ہوں شاید میرے بعد ان کے ذریعہ خداوند عالم تمھیں نیکی عطا کرے، اگر میں شفا پا گیا تو ان حدیثوں کو مخفی رکھنا اور اگر دنیا سے رخصت ہو گیا تو انھیں آشکار کر دینا وہ میرے پاس موجود ہیں آگاہ ہو جاؤ آنحضرتؐ نے حج اور عمرہ کو ایک ساتھ انجام دیا ہے اور اس بارے میں نہ کوئی آیت آئی نہ پیغمبر اکرم نے منع فرمایا، بلکہ ایک شخص نے اپنی رائے اور نظریہ کی بنیاد پر جو کچھ چاہا بیان کیا ہے۔ المسند: ۴/ ۴۳۴

الجنين من بطنها، و كان يصيح عمر : أ حرقوا دارها بمن فيها !!

وماكان بالدار غير على و فاطمۃ و الحسن والحسين''

''بیعت کے دن عمر نے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے شکم پر ایسا وار کیا جس کی وجہ سے بچہ سقط ہو گیا اور عمر خوب کو د رہے تھے: گھر کو گھر والوں سمیت جلا ڈالو!!

اور گھر میں سوائے علیؑ فاطمہ علیہا السلام اور حسنؑ و حسینؑ کے کوئی اور نہیں تھا''

شہرستانی نے الملل والنحل [1] میں نظام کے اس کلام کو نقل کیا ہے اور صفدی نے الوافی بالوفیات [2] میں بھی نقل کیا ہے اسے دوسری کتابوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب ''المعارف'' میں اس موضوع کو ذکر کیا تھا، لیکن جب آج اس کی جدید طبع اور موجودہ معارف کو ملاحظہ کرتا ہوں تو مذکورہ عبارت ندارد ہے اس لئے کہ تحریف اور کاٹ چھانٹ کے بعد طبع کی گئی ہے۔

ابن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ کتاب المعارف سے اس طرح نقل کرتے ہیں۔

''قنفذ عدوی کے ضرب سے محسن سقط ہو گئے'' [3]

لیکن جو جدید اور موجودہ طبع میں تحقیق شدہ (!!) متن میں آیا ہے وہ اس طرح ہے۔

---

1 الملل والنحل: ۱/۵۹

2 الوافی بالوفیات :۶/۱۷

3 مناقب آل ابی طالب:۳/۳۵۸

"محسن بن علی بچپنے میں دنیا سے رخصت ہو گئے"

سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص میں کہتے ہیں کہ "وہ بچپنے میں دنیا سے جا چکے تھے[1]۔ متاخرین کے محدثین میں حافظ محمد بن معتمد خان بدخشانی کتاب نز الابرار فیما صح من مناقب اھل بیت الاطہار علیہم السلام میں لکھتے ہیں "وہ کمسنی میں وفات پا گئے تھے۔[2]

ملاحظہ کیجئے! ابن ابی الحدید اپنے استاد سے نقل کرتے ہیں: جب استاد کے سامنے ھبار بن اسود کا ماجرا نقل ہوا... جس نے زینب [3] بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈرایا تو ان کا بچہ سقط ہو گیا تھا تو رسول اللہ نے ھبار کا خون حلال کر دیا تھا تو میرے استاد نے فرمایا جس وقت لوگ حضرت فاطمہ کے گھر پر حملہ کر رہے تھے اور دختر پیغمبرؐ کو خوف زدہ کر رہے تھے (یہاں تک کہ حمل سقط ہو گیا) اگر اس وقت حضرت ختمی مرتبتؐ زندہ ہوتے تو یقیناً جس نے فاطمہ کو ڈرایا تھا اس کا بھی خون معاف قرار دیتے

اس کے بعد ابن ابی الحدید کہتے ہیں میں نے استاد سے عرض کیا: حضور! یہ جو بعض محدثین روایت کرتے ہیں کہ "فاطمہ ڈریں اور محسن سقط ہو گئے" اسے آپ کے قول کے ساتھ نقل کروں اجازت مرحمت فرماتے ہیں؟ استاد نے فرمایا: نہیں! مجھ سے نہ اس روایت کو نقل کرو اور نہ ہی اس کے باطل ہونے کو نقل کرو![4]

ہاں... شاید اسی لئے روایت نہیں کرتے ہیں... اور جب نقل کرتے ہیں تو تحریف

---

1 تذکرۃ الخواص : ۵۴

2 نزل الابرار : ۷۴

3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی اور پروردہ ہونے کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے ہے۔

4 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید : ۱۴/ ۱۹۲

کر دیتے ہیں... اور اگر کوئی اس طرح کی روایت کو نقل کرتا ہے تو اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔

آٹھویں فصل

جناب زہرا علیہا السلام کے گھر کی بے حرمتی

بیت عصمت پر حملہ

اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ خلیفۂ وقت کے کارندوں نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر پر حملہ کیا اور اس کی حرمت و تقدس کو پارہ پارہ کر دیا ہے یہ موضوع ان مسلمات میں سے ہے جن میں کسی طرح کا شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا ہے یہاں تک کہ ابن تیمیہ جیسے متعصب شخص کو بھی اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے۔

ابن تیمیہ بھی اصل ماجرا کا انکار نہیں کرتے ہیں مگر اپنی عادتوں سے باز بھی نہیں آتے اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انھوں نے گھر پر اس لئے حملہ کیا تھا تا کہ معلوم کر سکیں کہ خداوند عالم کے حقوق سے متعلق وہاں مال تو موجود نہیں ہے جسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے (!!) [1]

واقعی اب اگر اس کے بعد اس مطلب میں کوئی شک کرے تو وہ ابن تیمیہ سے بھی دو قدم آگے کہلائے گا...؟ (یقیناً زیادہ برا کہلائے گا اس لئے کہ وہ تو حملہ کو تسلیم کرتا ہے) پھر ایسا فرد شیعہ ہونے کا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے یا اولاد پیغمبرؐ اور جناب فاطمہ علیہا السلام کی فرزندی کا کیوں کر دعویدار ہو سکتا ہے؟

---

1 منہاج السنۃ: ۸/ ۲۹۱

ابو بکر سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے مرنے سے پہلے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں یہ اعتراف کیا تھا:

"میں امور دنیا سے کسی چیز کے بارے میں افسوس نہیں کرتا ہوں سوائے تین چیزوں کے جنھیں میں نے انجام دیا ہے اور اے کاش! میں انھیں انجام نہ دیتا اور اسی طرح تین کاموں کیلئے افسوس کرتا ہوں جنھیں میں نے انجام نہیں دیا اور اے کاش! میں انھیں انجام دیتا اور اے کاش تین سوال رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لئے ہوتے.........

یہ روایت نہایت اہم ہے اس میں سے صرف انھیں باتوں کیطرف اشارہ کروں گا جو ہمارے اصل موضوع سے متعلق ہے۔

''وددت انی لم اکشف بیت فاطمہ عن شئی و ان کانوا قد غلقوہ علی الحرب

وددت انی کنت سالت رسول اللہ لمن ھٰذا الامر فلا ینازعہ احد ''

اے کاش! جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کے دروازہ کو نہ کھولتا خواہ اسے جنگ کی خاطر ہی کیوں نہ بند کیا گیا ہوتا۔

اے کاش! رسول خدا ﷺ سے دریافت کر لیتا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہو گا تا کہ اس میں کوئی نزاع نہ کرتا"

کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ خلیفۂ اول اپنی اس آرزو میں صادق اور سچے تھے؟

اگر سچے تھے!... تو کیا وہ غدیر کے دن موجود نہیں تھے؟

... کیا اس کے متعلق دیگر واقعات سے باخبر نہیں تھے؟

... کیا وہ غدیر کے دن سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں شامل نہیں تھے؟

خلیفۂ اول کی ان تمام آرزوں کو تاریخ طبری میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ابن عبد ربہ کی "عقد الفرید" عظیم حافظ، محدث، امام ابی عبید قاسم بن سلام کی کتاب "الاموال" اور ذہبی کی "مروج الذہب" اور ابن قتیبہ کی "الامامۃ و السیاسۃ" کی طرف رجوع فرمائیں۔ [1]

اور... اس سلسلہ میں یہ بات بھی توجہ میں رہے کہ تحریف اور کاٹ چھانٹ کا قلم بھی برابر فعال رہا ہے: کتاب الاموال میں ملاحظہ کیجئے تو پتہ چلے گا کہ وہاں بجائے "اے کاش!" کے "اے کاش! ایسا ویسا نہ کرتا!" نقل کیا ہے"!

خوب غور کیجئے...... اصل اور واقعی جملہ کو حذف کرکے اس کی جگہ "ایسا اور ویسا" وضع کرتے ہیں (مگر اہل فکر و نظر اسے بھی اچھی طرح درک کرلیتے ہیں، مترجم)

اس صورت حال سے کیا آپ امید رکھتے ہیں حقائق جس شکل و صورت میں تھے اسی طرح نقل کئے جائیں گے؟ آپ کس سے اس طرح کی توقع اور امید رکھتے ہیں؟

ہاں... یہ لوگ اسی طرح تحریف کے ذریعہ مکر و فریب کا جال بنتے ہیں اور لوگ اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

1 کتاب الاموال:۱۳۱، الامامہ والسیاسۃ:۱/۱۸، تاریخ طبری:۳/۴۳۰، مروج الذہب: العقد الفرید:۲/۲۵۴

نویں فصل

چند حقائق پر طائرانہ نگاہ

چند اہم حقائق

آخر کتاب میں چند حقیقتوں کی طرف بطور اختصار اشارہ کر دینا ضروری ولازم سمجھتا ہوں، تاکہ ان کے ذریعہ بات مکمل ہو جائے۔

پہلی حقیقت

جناب صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے ابوبکر کی ہرگز بیعت نہیں کی اور ابوبکر سے ناراضگی اور غضب آلود حالت میں دنیا سے رخصت ہوئی ہیں۔ [1]

یہ بات کتب صحاح اور اہلسنت کی دیگر کتابوں میں موجود ہے اور ہم نے اسے عائشہ سے نقل کیا ہے۔

یہاں چند سوال پیش آتے ہیں:

... کیا آپ کی نظر میں جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے وقت کے امام کی معرفت و بیعت کے بغیر دنیا سے گئی ہیں؟

... کیا یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام... (جن کے بارے

---

1 ر۔ک: مسند احمد:۱/۶، صحیح بخاری:۴/۴۲، از سنن الکبری للبیہقی:۶/۳۰۰، فتح الباری:۶/۱۳۹، عمدۃ القاری:۱۵/۱۹

میں علمائے اہلسنت جانتے ہیں کہ وہ ابو بکر و عمر سے افضل ہیں) معاذ اللہ جاہلیت کی موت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئی ہیں ؟

کیا جگر گوشۂ رسول جنھیں اذیت دینا حرام اور کفر کا موجب ہوتا ہے، اپنے زمانہ کے امام کی بیعت کئے بغیر دنیا سے چلی گئیں ؟

عالم اسلام میں کون ایسی بات کہہ سکتا ہے یا قبول کر سکتا ہے ؟

اگر ایسا نہیں ! تو پھر بتایئے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کا امام زمانہ کون تھا؟

دوسری حقیقت

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی شہادت سے ابو بکر کو آگاہ نہیں کیا لہٰذا خلیفۂ اول اور اس گروہ کا کوئی فرد جناب زہرا علیہا السلام کے نماز جنازہ میں حاضر نہیں ہوا۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں میت پر نماز ادا کرنا خلیفۂ وقت کی ایک ذمہ داری ہوتی تھی، اگر خلیفہ موجود ہے تو کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ پڑھنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

جب عبد اللہ بن مسعود دنیا سے رخصت ہوئے تو انھیں عثمان کی اجازت اور اطلاع کے بغیر دفن کر دیا گیا تو عثمان نے اپنے کارندوں کو عمار کے پاس بھیجا جنھوں نے عمار کو اس بات کے لئے سخت زدو کوب کیا تاریخ میں اس کے بے شمار نمونہ موجود ہیں۔

اس بنا پر جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی نماز میت میں حاضر ہونے کے لئے ابو بکر کو دعوت نہ دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ابو بکر کی امامت و خلافت تسلیم نہیں ہے۔

اسی وجہ سے چونکہ اہلسنت جانتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے جنازۂ اطہر پر ابو بکر کا نماز جنازہ نہ پڑھنا ان کے خلیفہ نہ ہونے کی دلیل ہے، تو لوگوں نے ایک حدیث

وضع کی کہ حضرت علی علیہ السلام نے کسی کو بھیج کر ابو بکر کو بلایا ابو بکر اور عمر کچھ لوگوں کے ہمراہ آئے اور حضرت صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام کے جنازۂ اطہر پر نماز ادا کی، حضرت علی علیہ السلام نے بھی اس نماز میں ابو بکر کی اقتداء کی (!!) وغیرہ وغیرہ۔

جھوٹی اور جعلی حدیث ملاحظہ کرنے کے بعد اب غور کیجئے

حافظ ابن حجر عسقلانی عبد اللہ ابن محمد قدامہ مصیصی کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ ضعیف اور ناقابل اعتماد لوگوں میں سے ہے کہ اس نے مالک بن انس کے طریقہ سے مصائب کو جعفر بن محمد سے نقل کیا ہے۔[1]

یہ لوگ اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں بے جا اور نامناسب باتیں پیش کرتے ہیں اور اہلبیت علیہم السلام کی زبان سے خود انھیں کے خلاف بے شمار روایتیں وضع کرتے ہیں جیسا کہ بیشتر روایتوں کو امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی اولاد یا ان کے بیٹے محمد حنیفہ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

یہی تو امت مسلمہ کا المیہ ہے انھوں نے نہ صرف واقعات اور روداد کو صحیح اور واقعی طور سے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے مقابلہ میں بے شمار روایتوں کو بھی وضع کیا ہے۔

تیسری حقیقت

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ انھیں رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے تاکہ ان کی مظلومیت طول تاریخ میں ہمیشہ کیلئے باقی رہ جائے، صدیقۂ کونین کے دفن کے ہنگام امیر المومنین علیہ السلام کا کلام اس حقیقت کے بہت سے تاریخی پہلوؤں سے پردہ اٹھاتا ہے اور اس میں بے شمار حقائق پائے جاتے ہیں، آپ کا کلام بہت سے مظالم اور جبر و

---

1 لسان المیزان ۳/۳۳۴

تشدد سے پردہ اٹھاتا ہے... مگر وہ مظالم اس وقت دکھائی دیتے ہیں جب ہر مومن کماحقہ اس خطبہ میں دقت اور غور و فکر کرتا ہے۔[1]

جناب فاطمہ زہرا علیہاالسلام کی شبانہ دفن کے بارے میں وصیت کی توجیہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ کہتا ہے: ''بہت سے لوگ تاریکی شب میں دفن ہوئے ہیں۔''

مگر اس توجیہ کی مفلسی اس وقت معلوم ہو جاتی ہے جب جناب فاطمہ علیہاالسلام بالکل واضح اور بغیر ابہام کے وصیت فرماتی ہیں: انھیں شب کی تاریکی ہی میں غسل دیا جائے شبانہ دفن کیا جائے اور جن لوگوں نے انھیں تکلیف پہنچائی ہے انھیں خبر نہ کی جائے۔

تو اگر... ایک طرف ابو بکر کے حواریوں اور حمایت کرنے والوں نے حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کے جنازے پر ابو بکر کے نماز ادا کرنے کے بارے میں روایت وضع کی ہے ... تو دوسری طرف یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ ابن حجر عسقلانی جیسی شخصیت نے اس کے جھوٹی اور جعلی ہونے کی وضاحت و صراحت بھی کر دی ہے۔[2]

---

1 نہج البلاغہ: ۲/ ۱۸۲

2 لسان المیزان: ۳/ ۳۳۴

آخری بات

اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد رونما ہونے والے واقعات پر ایک طائرانہ اور سرسری نگاہ تھی جن کے جزئیات اور دیگر مطالب پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، نیز واقعات کے سلسلہ میں اقوال وروایات کی تفصیلات پیش نہیں کی گئی ہیں۔

ہاں ...... اہلبیت علیہم السلام اور ان کے چاہنے والوں کے ذریعہ شیعی ماخذ میں یہ تمام واقعات مکمل طور سے تحلیل و تجزیہ کے ساتھ درج ہوئے ہیں۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے جو کچھ بیان ہوا وہ اہل فکر و نظر کی رہنمائی کیلئے کافی ہوگا اور اس طرح کے واقعات کے بارے میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو تحقیق و جستجو میں سعی و کوشش کرتے ہیں ان کے لئے نہایت مفید ہوگا۔

اللّٰھم صل علٰی محمد وآل محمد و عجل فرجھم

۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
نیرول نئ ممبئ